اُجالے سے پہلے

اسٹیج ڈرامہ

ابراہیم جلیس

بار اول

تعداد پانچسو - (۵۰۰)

قیمت ڈھائی روپے (عہ)

ناشر

مکتبہ جدید — اردو بازار — دہلی ۶

محبوب المطابع برقی پریس دہلی

نہایت عزیز دوست

ابراہیم علیخاں ـــــ کے نام

جن کی خواہش پر میں نے یہ پہلا اسٹیج ڈرامہ لکھا
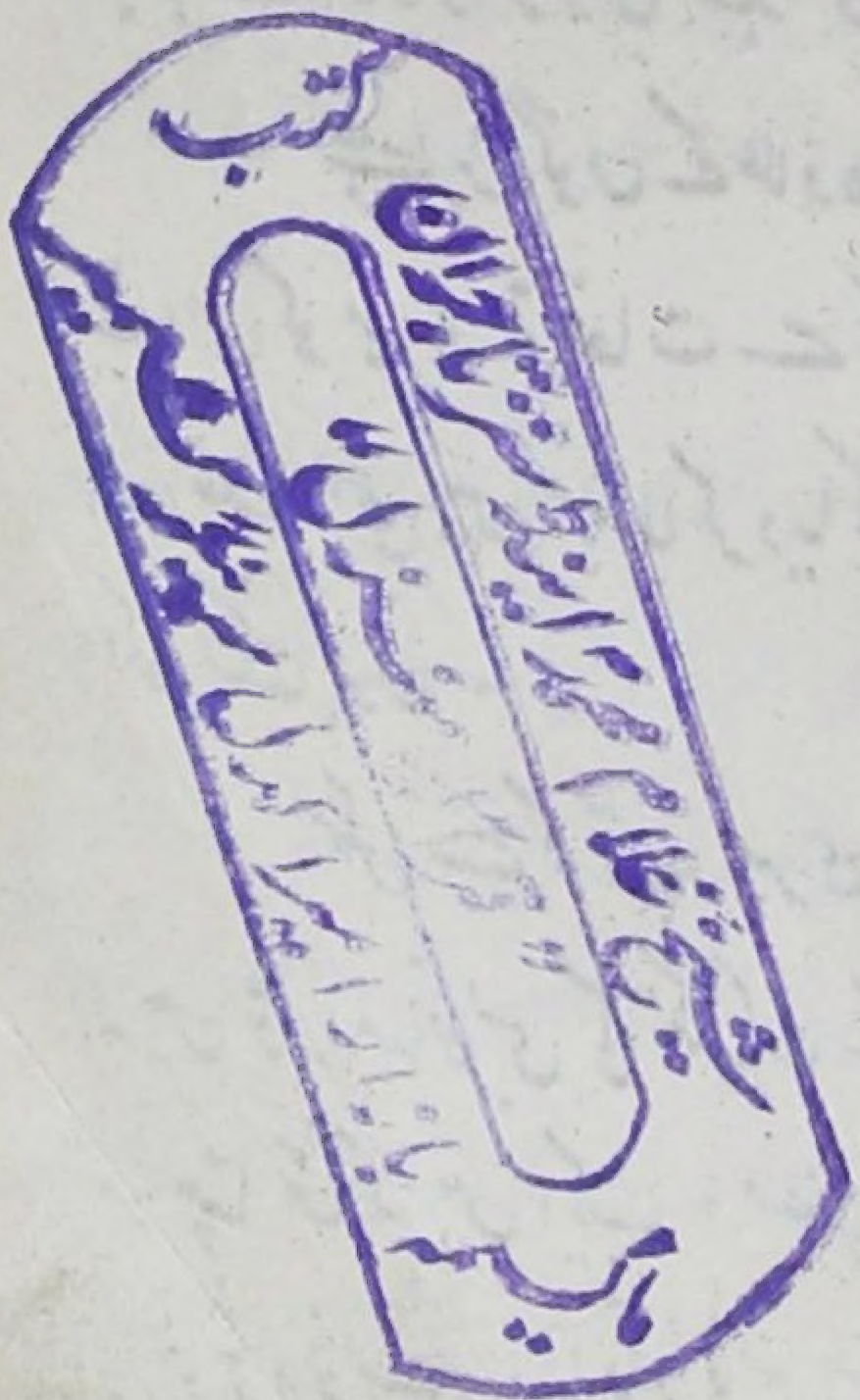
پسِ پردہ

میں اکثر سوچتا ہوں کہ آخر میں نے ایک فل فلیجڈ اسٹیج ڈرامہ کس طرح لکھ لیا۔ میرے لئے سب سے زیادہ حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ جب یہ ڈرامہ کراچی میں پہلی بار اسٹیج کیا گیا تو اسے نہ صرف عوام کالانعام بلکہ بابائے اردو مولوی عبدالحق ــــــ سید ہاشم رضا ــــــ حاتم اے علوی جیسے بزرگوں کے علاوہ کراچی کے تقریبًا تمام دانشوروں اور صحافیوں نے اس کو میری توقعات سے کہیں زیادہ پسند کیا۔ اور ہمیشہ کے لئے مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ میں اچھے اور معیاری اسٹیج ڈرامے بھی بہ آسانی لکھ سکتا ہوں۔

ممکن ہے کہ آپ میری اس بات پر یقین نہ کریں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں ڈرامہ نویسی کی تکنیک کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ــ میں یہ سوچتا تھا کہ میں ایک مضمون نویس، افسانہ نویس، ناول نویس، اخبار نویس اور خوش نویس (نمانا فرنویس نہیں) کافی نہیں کہ ڈرامہ نویس بھی بن جاؤں؟

اس لئے میں نے بہت کم اسٹیج ڈرامے دیکھے ۔ فن ڈرامہ سے متعلق شدہ بڑھ ہی کچھ پڑھا۔ البتہ ریڈیائی ڈرامے اور ایکٹ کے ڈرامے لکھے بھی خوب اور پڑھے بھی زیادہ ۔ فل فلیجڈ ڈراموں میں سید امتیاز علی تاج کے ڈرامے انارکلی اور آغا حشر مرحوم کے چند ڈراموں کے سوا شاید ہی میں نے کوئی ڈرامہ پڑھا ہو ۔ البتہ اپنے عزیز دوست خواجہ معین الدین بی۔ اے عثمانیہ کے ڈرامے "پرانے محل، زوال حیدر آباد، نیا نشان اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ خواجہ معین الدین کے ان ڈراموں کو دیکھنے سے مجھے اسٹیج سے واقفیت ہوئی۔ یہ معلومات ہوئیں کہ ڈیپ سین اور مڈسین وغیرہ کیا ہوتے ہیں —— پردہ گرتا ہے تو کیوں گرتا ہے اور اٹھتا ہے تو کیوں اٹھتا ہے؟ ——

اسی دوران ایک میرے عزیز دوست مسٹر مظہر علی شریف اور آصف سلیم مجھ سے ملے اور مجھے بڑا ناؤ دلایا کہ جب خواجہ معین الدین اسٹیج ڈرامے لکھ سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں لکھ سکتے ؟ ۔

میں نے انھیں ٹالا کہ میں " دوستوں ،، سے مقابلہ نہیں کرتا لیکن ایک دن جب میرے دل نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ ہاں بھئی آخر تم کیوں لکھتے —— ؟ میں نے اپنے دل کو جواب دیا —— بھئی عجیب بات ہے لکھتے تو تم ہی ہو ۔ اگر ایسا ہے تو لکھو۔ (واضح رہے کہ میں دماغ سے کم دل سے زیادہ لکھتا ہوں) میں نے ایک دن اسٹیج ڈرامہ لکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا ۔ لیکن وہ ارادہ کافی دنوں تک مصمم ارادہ ہی بنا رہا ۔

اس کی ایک اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں لبسیار نویس مشہور ہونے کی باوجود بہت "قلم چور" ہوں۔ جس طرح آپ یا آپ کے کوئی دوست "کام چور" ہوں گے ۔ لیکن میرے دوست مسٹر منظہر علی شریف اور آصف سلیم کے علاوہ مسٹر ابراہیم علیخان، فصیح الدین احمد ایڈیٹر پیام مشرق مرحوم، مصطفیٰ علی اور منظور وغیرہ بھی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے کہ اسٹیج ڈرامہ لکھو۔ چنانچہ میں نے اپنے دفتر سے دو دن کی چھٹی لی ۔ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو دو دن کے لئے خدا حافظ کہا اور لکھنے کی ساری ضروریات سے مسلح ہو کر اسٹیج ڈرامہ لکھنے بیٹھ گیا۔ اور مسلسل ڈیڑھ دن کی محنت کے بعد میں یہ ڈھائی گھنٹہ کا ڈرامہ لکھنے میں کامیاب ہو گیا ۔ وہ غالباً اتوار کی شام تھی ۔ میں وہ مسودہ لے کر اپنے دوستوں کے پاس پہنچا، مسودہ دیکھنے کے باوجود اُدھر انھیں یقین نہیں آرہا تھا کہ مجھ جیسا "قلم چور" اتنی جلدی ایک فلم فلیجڈ ڈرامہ بھی لکھ سکتا ہے ۔۔۔ ادھر مجھ پر بھی ایک تذبذب کا سا عالم طاری تھا کہ یہ کیا حرکت مجھ سے سرزد ہو گئی ہے! بہرحال دوسرے دن سے اس ڈرامہ کی ریہرسل شروع ہو گئی ۔ اداکاروں کی ایک اچھی ٹیم اور ٹیم اسپرٹ دونوں حاصل ہو گئیں ۔ ہر شام ریہرسل میں بڑا اچھا وقت گذرنے لگا ۔ لیکن جیسے جیسے پبلک شو کا دن قریب آرہا تھا پتہ نہیں کیوں میرا دل ڈوبتا سا محسوس ہو رہا تھا ۔ بالآخر وہ دن آگیا جس شام میرا پہلا ڈرامہ پہلی بار اسٹیج کیا جانے والا تھا ۔ اس شام میں ایمپریس مارکیٹ سے گذر رہا تھا ۔ مجھے جو شخص بھی انڈے اور ٹماٹر خریدتا نظر آتا میرا دل دھڑک جاتا اور مجھ سے پوچھتا ۔

کہیں یہ شخص آج رات میرا ڈرامہ دیکھنے تو
نہیں جا رہا ہے؟ یہ انڈے اور ٹماٹر کہیں
میرے ڈرامہ کے ہیرو، ہیروئن، ولن
یا پھر مصنف کو تو نشانہ بنانے والے نہیں ہیں

جس وقت ڈرامہ شروع ہوا یعنی پردہ اٹھا۔ ایک منظر گذرا!
اور ننھی اداکارہ نے دلچسپ انداز میں مکالمے بولے اور سارا ہال تالیوں
سے گونج اٹھا تو میرے جسم پر رونگٹے سے کھڑے ہو گئے۔ اور میری گردن
ذراسی اکڑ گئی۔ جب تیسرے منظر میں سارا ہال قہقہہ زار بن گیا تو میں نے
فاتحانہ انداز میں پلٹ کر تماشائیوں کو دیکھا۔ اس وقت مجھے احساس
ہوا کہ میں نے مونچھیں کیوں نہیں رکھیں! واللہ انھیں تاؤ دینے سے ہوسکتا
تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ اس کی تصدیق ہر وہ شخص
کرسکتا ہے جس نے میرا ڈرامہ دیکھا ہے کہ ڈرامہ کے ہر منظر کو پرجوش
تالیوں سے پسند کیا گیا۔ ڈرامہ کے ختم کے بعد ایک فلم ساز نے فوراً ہی فلم
کے لئے اس کا معاہدہ کر لیا۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ پردۂ سیمیں پر ملاحظہ
فرمائیے،

اس ڈرامے کی کامیابی میں جتنا میرے قلم کو دخل ہے اتنا ہی اس
ڈرامے کی ہدایت کار منظہر علی شریف، معاون ہدایت کار ایم۔ اسے جاوید
ایس۔ ایم یوسف، میوزک ڈائرکٹر، مبارک حسین ہاشمی، میک اپ مین امام الدین
احمد بھائی، نغمہ نگار اعظم اور احمد رضا کے علاوہ اداکاروں، مس شمیم اختر ۔۔۔

مس آفریدس، سلیم اختر، اختر آحسن - کوکب، آصف سلیم، رحجو بنڈل، لطیف احسان، اسلم، محمود علی، بیگم، ملکہ اور چھ سالہ ننھی اداکارہ بے بی فریدہ کا بھی دخل ہے۔
میں ان تمام خواتین وحضرات کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ سب سے زیادہ تو میں اپنے نوجوان دوست مسٹر ہاشم پراچہ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس ڈرامے کو اسٹیج کرنے کے لئے چیک بک پر دستخط کرنے میں کبھی کوئی پس وپیش نہیں کیا۔
اس کتاب کے آخر میں وہ تعریفی پھول بھی آپ کو ملیں گے جو کراچی کے اخبارات نے اس ڈرامے کو پیش کئے، اس لئے میں اپنے منہ آپ اور کیوں میاں مٹھو بنوں ؟ اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں یہیں پردہ گرا دوں ۔

(ڈراپ)

ابراہیم جلیس

اعظم ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ایک خوبصورت صحتمند بے روزگار گریجویٹ
مجید ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ اعظم کے کالج کا ساتھی بے روزگار گریجویٹ
نورافشاں ــ ــ ــ ــ ــ ــ نوجوان خوبصورت بی۔اے پاس لڑکی
کرنل ارباب خاں ــ ــ ــ ــ نورافشاں کا باپ ــ ریٹائرڈ کرنل
مسعود علیخاں ــ ــ ــ ــ ــ نوجوان سرمایہ دار۔ نورافشاں کا عاشق
حاکم علیخاں ــ ــ ــ ــ ــ ــ پروپرائٹر گوٹ اینڈ شیپ فرم۔

پہلا منظر

ایک ادنٰی متوسط درجے کے گھرانے کا کمرہ - جس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں - لکھنے کی ایک میز دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جس پر بہت سی کتابوں اخباروں اور رسالوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے - اس میز کے اوپر بی - اے کی دو ڈگریاں فریموں میں لگی ہوئی آویزاں ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کمرے میں دو گریجویٹ رہتے ہیں - جن میں سے ایک اس وقت چارپائیوں کے سرہانے آمنے سامنے رکھی ہوئی دو آرام کرسیوں میں سے ایک آرام کرسی پر بیٹھا کچھ پڑھنے میں مشغول ہے - اس نے شب خوابی کا دھاری دار پاجامہ اور ٹوٹے ہوئے بٹنوں والی کھلے گریبان کی میلی قمیص پہن رکھی ہے، وہ ایک خوبصورت اور تندرست نوجوان ہے - سامنے دیوار پر ایک پرانی وضع کا وال کلاک گیارہ بجنے کے گھنٹے بجاتا ہے -- نوجوان چونک کر کلاک کی طرف دیکھتا ہے -

نوجوان :- (بلند آواز سے) - اُف --- گیارہ بج گئے --- !

(کرسی سے اٹھتا ہے - چارپائی کے نیچے سے سوٹ کیس گھسیٹ کر باہر نکالتا ہے اس میں سے ایک صاف ستھری دھلی ہوئی سفید قمیص اور بنیان نکال کر کندھے پر

ڈال لیتا ہے، اور چارپائی سے تکیہ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ اس کی پتلون غائب ہے۔
جو "کریز" کی خاطر اس نے تکیہ کے نیچے رکھی تھی - وہ کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے۔
اور پکارتا ہے)

بانو ــــ بانو ــــ!

(اندر سے ایک ننھی بچی کی آواز آتی ہے)

جی ــــ آئی بھائی جان ــــ

(اس آواز کے دو تین لمحوں کے بعد ایک آٹھ نو سالہ خوبصورت سی بچی جس کے
دونوں ہاتھ آٹے میں گندھے ہوئے ہیں، جیسے وہ ابھی ابھی آٹا گوندھ کر آرہی ہو
کمرے میں داخل ہوتی ہے، اس وقت اس نوجوان کی پیٹھ لڑکی کی طرف ہے۔)

بانو:۔ اعظم بھائی جان ــــ آپ نے مجھے بلایا؟ ــــ

اعظم:۔ (پلٹ کر) ہاں ــــ دیکھو بانو، میری گرم پتلون اندر تو نہیں
ہے، وہ جو بلو رنگ کی ہے۔

بانو:۔ (کچھ سوچ کر) ــــ وہ پتلون ــــ! ــــ وہ پتلون تو مجید بھائی جان
پہن کر گئے ہیں۔

اعظم:۔ (گھبراہٹ اور غصے کے ملے جلے لہجے میں) کمبخت اُلّو کا پٹھا اسے نہیں
معلوم تھا، آج ۱۲ بجے میرا انٹرویو ہے۔

بانو:۔ (بھولپن سے) مجید بھائی جان بھی تو انٹرویو میں گئے ہیں۔ ان کا انٹرویو
صبح نو بجے تھا۔ اس وقت آپ سو رہے تھے۔ وہ کہہ گئے تھے کہ میں
ساڑھے گیارہ بجے تک ضرور واپس آجاؤں گا

اعظم :۔ اگر وہ نان سنس ساڑھے گیارہ بجے تک واپس نہیں آیا تو میں اپنے انٹرویو میں کیا پہن کر جاؤں گا ۔

بانو :۔ (پیار سے اعظم کی ٹھوڑی کو آٹا گندھا ہاتھ لگاتی ہے ، جس سے تھوڑا سا گیلا آٹا اعظم کی ٹھوڑی پر لگ جاتا ہے)
بھائی جان ـــ انٹرویو میں آپ وہ پتلون پہن کر نہ جائیں تو بہتر ہے ۔

اعظم (حیرت سے) کیوں ؟ ـــ

بانو :۔ وہ پتلون تو بڑی منحوس ہے ، میں کب سے دیکھ رہی ہوں آپ اور مجید بھائی جان ہر انٹرویو میں وہی پتلون پہنکر جاتے ہیں ، لیکن نہ تو آپ کو نوکری ملتی ہے اور نہ مجید بھائی جان کو ۔

(اعظم کھسیانا ہو کر مسکراتا ہے اور بانو کو اٹھا کر اس کی پیشانی چومتا ہے اور اپنے ساتھ بٹھا کر اسے سمجھانے کے انداز میں کہتا ہے)

اعظم :۔ مائی ڈیر چوہوں کی خالہ ـــ تم تو اب بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو مگر بانو ـــ دراصل یہ پتلون منحوس نہیں ہے ، بلکہ یہ نظام منحوس ہے اور جب تک یہ نظام منحوس رہیگا . اس وقت تک میں اور مجید جیسے فرسٹ کلاس گریجویٹ یوں ہی بے روزگاری کی چکر میں مبتلا رہیں گے ۔ سمجھی ! ـــ

بانو :۔ (بھولپن سے) جی نہیں سمجھی ! ـــ کون نظام ؟ ـــ وہ جو آپ کے دوست ہیں لمبے سے ، کالے سے ، وہ جنہوں نے مجھے چاکلیٹ کا ڈبہ دیا تھا ؟

اعظم :۔ اری وہ نہیں پگلی ـــ یہ ہمارا معاشی اور اقتصادی نظام ـــ

ویسے یہ ٹھیک ہے کہ وہ لمبا بھی ہے اور کالا بھی ـــــ لیکن وہ کسی غریب اعظم
کی ننھی بہن کو چاکلیٹ کا ڈبہ کبھی نہیں دیتا۔

(اندر سے اعظم کی ماں کی آواز آتی ہے)

آواز:۔ بانو ـــــ بیٹی بانو ـــــ

بانو:۔ آئی امی ـــــ اِدھر بانو اُدھر بانو ـــــ ایک ننھی سی جان پر کتنی
مصیبت ہے ـــــ امی ای۔ای۔امی . . . .

(اندر بھاگ جاتی ہے ـــــ ایک لمحے کے بعد باہر کے دروازے سے ایک نوجوان
کوٹ کندھے پر ڈالے، نکٹائی کی گرہ ڈھیلی کیے، ہاتھ میں بی، اے کی ڈگری
سارٹیفکٹوں کا پلندہ لیے تھکے ہارے قدموں اندر داخل ہوتا ہے۔
کوٹ اور کاغذات کا پلندہ چارپائی پر پھینک کر دھڑام سے آرام کرسی
پر گر جاتا ہے)

اعظم:۔ او مجید کے بچّے، تم میری پتلون پہن کر چلے گئے، تمہیں معلوم نہیں تھا کہ
بارہ بجے میرا انٹرویو ہے۔

مجید:۔ (وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی بارہ بجنے میں بہت دیر ہے یار!

اعظم:۔ اس طرح لاٹ صاحب کی طرح مت بیٹھو۔ اٹھو جلدی سے میری پتلون
اتار کر مجھے دیدو۔ کمبخت، ساری کریز ستیاناس کر دی۔

مجید:۔ (کرسی سے اٹھتے ہوئے) اماں کیا کرو گے یار ایسے انٹرویوز میں جاکر!
اپنے پاس نہ شمشیر ہے نہ ہمشیر۔ اس معاشرے میں نوکری تو صرف سالے
بہنوئی قسم کے لوگوں کو ملتی ہے۔ سمجھ گئے مسٹر محمد اعظم بی، اے علیگ!

اعظم :- یار بکواس نہ کرو - جاؤ جلدی سے تپلون بدلو۔

(مجید اپنی چارپائی کی پائینتی پر پڑا ہوا اپنا دھاری دار پاجامہ اور کرتہ اٹھا کر اندر جاتا ہے اور اعظم میز پر سے پاسنگ شو سگریٹ کی ڈبی سے ایک سگریٹ نکال کر جلاتا ہے اور کتاب اٹھا کر انٹرویو کے لئے تیاری کی خاطر رٹنے کے انداز میں زور روز سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔

(مجید اندر سے دھاری دار پاجامہ اور کرتہ پہنے داخل ہوتا ہے اور اعظم کے کندھے پر تپلون پھینکتے ہوئے کہتا ہے)

مجید :- لو ڈیر سنبھالو اپنی عزت و آبرو کی محافظ تپلون!

(اعظم کتاب بند کر کے میز پر رکھتا ہے۔ چارپائی سے اپنی قمیص بنیان اٹھاتا ہے اور بچا کچا سگریٹ مجید کے حوالے کر کے اندر چلا جاتا ہے۔ مجید سگریٹ کو چوم کر آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے اور تپائی پر ٹانگیں پھیلا کر دلآویز ترنم کے ساتھ گنگنانے لگتا ہے) ؎

بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم
حیات و عمل کے گنہگار ہیں ہم

یہ گیتی ہے جس میں دفینے مکیں ہیں
وہ دریا ہے جس میں گہر نسبتیں ہیں
وہ جنگل ہیں جو رشک خلد بریں ہیں

یہ فطرت کے انعام اپنے نہیں ہیں
تہی دست و محروم و نادار ہیں ہم
بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم

کہاں زر پرستی کہاں قدر دانی
کہاں لوٹ و غارت کہاں مہربانی
کہاں تک یہ بالجبر مر مر کے جینا
لہو میں ہے کھولن جبیں پر پسینہ
دھڑکتی ہیں نبضیں سلگتا ہے سینہ

بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم

(اعظم قمیص اور پتلون پہنے داخل ہوتا ہے۔ مجید کو گنگناتا دیکھ کر کہتا ہے)

اعظم:۔ او بکواس پسند شاعر، بند کرو اپنا نوحہ، اور بتاؤ مجھے کہ تمہارے انٹرویو میں کیا کیا سوالات پوچھے گئے۔؟

(یہ کہہ کر وہ ٹائی ہاتھ میں لئے دیوار پر لگے ہوئے چھوٹے سے آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر ٹائی باندھنے لگتا ہے)

مجید:۔ (ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھر کر) ہائے ہائے۔ انٹرویو تھا بینک کی کلرکی کا۔ اور سوالات یہ پوچھے گئے۔

سوال نمبر ایک:۔ پاکستان کے دشمن ممالک افغانستان کو روپیہ کس بینک یا بینکوں کی معرفت بھیجتے ہیں؟

اعظم :۔ (نکٹائی باندھتے ہوئے) تم نے کیا جواب دیا؟
مجید :۔ میں نے جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے جس کا فاش کرنا مفاد عامہ کیلئے مضرت کا باعث ہو سکتا ہے۔
اعظم :۔ ہونہہ
مجید :۔ سوال نمبر۲ = افغان سوڈا واٹر کی ایک بوتل کی کیا قیمت ہے؟"
میں نے جواب دیا = خریدار کی جیب میں جتنے بھی پیسے ہوں۔
(اعظم جو ٹائی باندھ چکا ہے۔ بالوں میں کنگھا کر رہا ہے)
مجید :۔ سوال نمبر۳ = ان دو کتابوں میں سے کونسی کتاب عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔؟
بک آف نالج یا چیک بک۔۔۔؟
اعظم :۔ ویری انٹرسٹنگ کوسچن! تم نے کیا جواب دیا۔
مجید :۔ میں نے جواب دیا ــــ بلاشبہ چیک بک جناب!
اعظم :۔ بڑے میٹر آف فیکٹ قسم کے آدمی ہو یار تم۔
مجید :۔ شکریہ۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ اب رہا آخری سوال۔ پوچھا گیا کہ ــ پاکستانی عوام نے اپنے مکمل اعتماد کا جو بلینک چیک اپنے رہنماؤں کو دیا تھا۔ آیا وہ کیش ہوا یا نہیں؟"
اعظم :۔ (کوٹ پہنتے ہوئے) تو گویا ایک ہی معقول سوال پوچھا گیا، تم نے کیا جواب دیا۔ یہ سوال سنکر تو تمہاری سٹی گم ہو گئی ہو گی۔!
مجید :۔ اماں جاؤ یار ــ وہ فرسٹ کلاس جواب دیا ہے کہ انٹرویو بورڈ عش عش کرنے

لگ گیا۔ میں نے جواب دیا۔

"حضور! عوام کے مکمل اعتماد کا بلینک چیک
ایک آرڈر چیک تھا۔ اور رہنماؤں کی بینک
میں نہ تو اکاؤنٹ تھا اور نہ کریڈٹ"

اعظم :- بہت اچھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری صحبت میں تم دن بدن عقلمند ہوتے جا رہے ہو۔

مجید :- (طنزیہ لہجے میں) جی ہاں بڑے خوبصورت ہیں آپ!

(اعظم مسکراتا ہے اور میز پر سے اپنی بی، اے کی ڈگری اور سرٹیفکیٹوں کا بلندہ اٹھاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :- اچھا۔ می گوناؤ۔ وش می گڈ لک۔

مجید :- بائی بائی — می سلکشن بورڈ بلس یو۔

(اعظم دروازے تک جاتا ہے اور جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ سوچتا ہے اور پلٹ کر کہتا ہے)

اعظم :- ارے ہاں یار مجید۔ تمہارا ایک خط آیا ہوا ہے، غالبًا تمہارے والد کا ہے۔ کیونکہ لفافہ پر ٹنڈو آدم کی مہر لگی ہوئی ہے۔

(جیب سے خط نکال کر اس کی طرف لوٹتا ہے اور خط اسے دیتا ہے)

مجید :- روپیہ منگوایا ہوگا (لفافہ چاک کرتے ہوئے) ہم تو یار ؎

ع خط کا مضموں بھانپ جاتے ہیں لفافہ دیکھکر

(مجید بہ آواز بلند خط پڑھتا ہے اور اعظم سنتا ہے)

(از ٹنڈو آدم سندھ)

برخوردار نور چشم میاں مجید خاں طول عمرہٗ

دعا۔ دیدہ بوسی، پیار ۔۔۔ ہم تمام خیریت سے رہ کر تمہاری خیریت
بدرگاہ الٰہی نیک چاہتے ہیں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ دریائے سندھ میں
سیلاب اور بارشوں کے باعث اس سال فصل بالکل تباہ ہو چکی ہے
بڑی پریشانی لاحق ہو گئی ہے، تمہیں یہاں سے گئے ہوئے چار مہینے
ہو چکے ہیں ابھی تمہیں نوکری ملی ہے یا نہیں؟ پچھلے خط میں تم نے
لکھا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر تمہیں نوکری مل جائیگی۔ پتہ نہیں
تم وہاں کیا رہے ہو؟ ۔۔ خدا تمہیں صحبت بد سے بچائے، تم نے
لکھا تھا کہ عنقریب روپیہ بھی بھیجوں گا۔ روپیہ جلدی بھیجو، ہماری بڑی تنگی
میں بسر ہو رہی ہے ۔

اعظم:۔ (چونک کر) تنگی میں بسر ہو رہی ہے۔

مجید:۔ اوہ ۔۔۔ نہیں تنگی میں بسر ہو رہی ہے ۔ قبلہ والد صاحب لفظوں کو
زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہیں معلوم ہوتے ۔

اعظم:۔ چلو آگے پڑھو۔

مجید:۔ ہاں تو ہماری بڑی تنگی میں گذر ہو رہی ہے، تمہارے دونوں چھوٹے
بھائی ..... آوارہ ہو گئے ہیں کیونکہ یہاں کے اسکول کی عمارت کو ایک
بڑے افسر کی رہائش گاہ کے لئے الاٹ کر دیا گیا ہے اس لئے ان کا ۔۔۔

پڑھنا لکھنا سب ختم ہو گیا ہے۔ دن بھر سڑکوں پر گلی ڈنڈا اور گولیاں کھیلتے رہتے ہیں اور بازاری گالیاں سیکھ رہے ہیں۔ مولا رحم کرے تمہاری ماں کی آنکھیں بہت خراب ہو گئی ہیں وہ عینک لگانا چاہتی ہیں جب تم لنڈن آؤ تو ان کیلئے ایک دس نمبری عینک ضرور لیتے آؤ

اعظم:۔ دس نمبری عینک۔ بہت خوب!

مجید:۔ (پڑھتے ہوئے) ہماری بیگم کی زچگی ہو گئی ہے۔ جڑواں بچے ہوئے تھے ایک بچہ مر گیا دوسرا صاحب تھے، زچہ اور بچہ دونوں اللہ کے فضل سے تندرست ہیں۔ اب کی بقر عید پر لنڈن سے تم ضرور آؤ۔ اور وہاں سے آتے ہوئے کراچی کا ایک بکرا بھی ضرور لیتے آنا بڑی تعریف سنی ہے کراچی کے بکروں کی۔ کسی کراچی جانے والے کے ذریعہ گھر کا تیار کردہ ایک مکھن کا ڈبہ بھیجدوں گا۔ تم ہمیشہ مکھن استعمال کرو اور صحت کا خیال رکھو۔ اپنے دوست اعظم کو سلام کہنا۔

اعظم:۔ علیہ و علیکم السلام، اور دیگر احوال یہ ہے کہ مکھن کا ڈبہ ضرور بھیجئے کراچی میں ہر جگہ مکھن کی ضرورت پڑتی ہے

مجید:۔ (پڑھتے ہوئے) خط کا جواب جلد دو اور کم از کم سو روپے بذریعہ ڈاک بذریعہ منی آرڈر بھیجدو سخت انتظار رہیگا۔

تمہارا باپ

چودھری یوسف خان

خط بند کر دیتے ہوئے (لکھا ہوا۔ روپیہ بھیجو، بذریعہ تار منی آرڈر بھیجو)

اعظم :- یار مجید - چودھری صاحب نے روپیہ تو ایسی بے تکلفی سے منگوایا ہے
جیسے ان کا فرزند دلبند پاکستان کا وزیر خزانہ لگا ہوا ہے
مجید :- (لمبی ٹھنڈی سانس لے کر) واہ جی میرے پیارے والد چودھری یوسف
خاں صاحب - اللہ آپ کو ہمیشہ اچھا رکھے
اعظم :- اچھا بھئی اب میں چلا — بڑی دیر ہو گئی -
مجید :- آل رائٹ - بائی - بائی

(اعظم باہر چلا جاتا ہے - مجید آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے -)
——— پردہ گر جاتا ہے ———

دوسرا منظر

(ایک سڑک۔ بس اسٹاپ۔ بس اسٹاپ کے کھمبے کے ساتھ ایک
نوجوان اور خوبصورت لڑکی کھڑی بس کا انتظار کر رہی ہے، اس کے
ہاتھ میں ایک اکسر سائز بکس کا ایک پلندہ ہے آنکھوں پر سیاہ
رنگ کا چشمہ۔ سادہ مگر جاذب نظر لباس پہنے ہوئے ہے بس کے انتظار
میں وہ اکسر سائز بک دیکھ رہی ہے، اس کے علاوہ بس اسٹاپ پر
کوئی نہیں ہے، سڑک بھی سنسان ہے اتنے میں اعظم ایک طرف سے
داخل ہوتا ہے، اس نوجوان لڑکی کو دیکھ کر رکتا ہے مسکراتا ہے
اور دبے پاؤں اس کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے قریب جا کر
کہتا ہے۔

اعظم :- ہیلو مس نورافشاں بی - اے - بی - ٹی -

نورافشاں :- (چونک کر) اوہ اعظم! بڑے عرصے کے بعد ملے ہیں آپ! کہاں رہتے ہیں آج کل؟

اعظم :- یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا نور کہ آجکل میں کہاں رہتا ہوں، البتہ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو پھر سوچنے لگ جاتا ہوں کہ مجھے کہاں رہنا چاہئے! جی تو چاہتا ہے کہ اس سڑک چھوڑ کر اس راستہ پر چلنا شروع کر دوں جس پر تمہارے چہرے کی چاندنی پھیلی ہوتی ہے جبکی فضا تمہاری چوڑیوں کی کھنک، تمہارے پازیبوں کی جھنک اور تمہارے جسم کی خوشبو سے مہک رہی ہو، جس کے کنارے تمہارے لمبے جسم کا سرو کھڑا ہے اور زلفوں کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں پھیلی ہوتی ہے - اور ....

نورافشاں :- (شرماتے ہوئے) نان سنس کیا بکواس کر رہے ہو، یہ سڑک ہے، بس اسٹاپ ہے کوئی یہ باتیں سن لے تو ......

اعظم :- اس کی پرواہ نہ کرو نور، اوّل تو لوگ سرے سے یہاں موجود ہی نہیں۔ اگر ہوتے بھی تو وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بس اسٹاپ بھی دنیا کی چند رومینٹک جگہوں میں سے ایک ہے -

نورافشاں :- (بات بدلتے ہوئے) اچھا اعظم، بانو آجکل اسکول کیوں نہیں آرہی ہے؟

اعظم :- یہ بھی خوب رہی، بانو نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ اس کی مس نے یہ کہا تھا کہ اگر اس مہینے بھی اسکول فیس نہیں لاؤ گی تو اسکول آنے کی ضرورت نہیں، خود ہی منع کرتی ہو اور خود ہی پوچھتی بھی ہو -

نور افشاں :- واہ ، میں اس کی مس تھوڑی ہوں ، اس کی کلاس ٹیچر تو مس رضیہ
ہے ۔ رضیہ نے کہا ہوگا ، میں تو اسے صرف انگلش پڑھاتی ہوں میں
بھلا ایسے کیسے کہہ سکتی ہوں جبکہ ....
اعظم :- (بات کاٹتے ہوئے) جب کہ وہ محمد اعظم کی چھوٹی بہن ہے ، کیوں؟
نور افشاں :- (پیار سے) شٹ اپ ! آپ بانو کی تعلیم نہ روکیں وہ بڑی ذہین
لڑکی ہے ، اور فیس کا کیا ہے ، وہ کون بڑا مسئلہ ہے ۔
اعظم :- مسئلہ ! مس نور افشاں تعلیم کا مسئلہ ملک کے دفاع کے بعد سب سے
اہم مسئلہ ہے لیکن فیس کا مسئلہ تو عام مسائل کا فادر ان لا ہے ۔
نور افشاں :- ان فضول باتوں کو چھوڑیئے ، آپ کل سے بانو کو اسکول بھیجئے فیس
میں دیدیا کروں گی ۔
اعظم :- نہ نہ میڈم نہ ، یہ تکلیف نہ کیجئے ، اب بانو کو آٹا ہی گوندھنے دیجئے
اس زمانے میں آٹا کتاب سے زیادہ ضروری ہے ۔
نور افشاں :- خواہ مخواہ غیریت برت رہے ہو ۔
اعظم :- غیریت نہیں بلکہ غیرت برت رہا ہوں ۔ اچھا اب مجھے اجازت
دو مجھے انٹرویو میں جانا ہے ، ابھی بارہ بجے ۔
(جانے لگتا ہے نور افشاں کہتی ہے)
نور افشاں :- (آؤ نہ بس میں چلتے ہیں)
اعظم :- (کوٹ کی دونوں جیبیں باہر الٹ کر)
اعظم :- ادھر تو بے بسی ہے نور !

نورافشاں :- ٹکٹ میں لے لوں گی ۔
اعظم :- اب تو صرف ایکبار ٹکٹ کٹوانے کا ارادہ ہے میڈم اور وہ بھی
اس صدیوں برس پرانی دنیا سے جاتے وقت!
نورافشاں :- بیکار کا تکلف چھوڑو اعظم، آؤ ۔
اعظم :- (اس کے قریب جاکر) انتظار کرو نور، ہماری زندگی میں وہ دن
بہت جلد آنیوالا ہے جب ہم دونوں بس، ٹرام، ٹرین، اسٹیمر، ہوائی جہاز
سینما اور کرکٹ میچ کے ٹکٹ اکھٹے خریدا کریں گے ۔
نورافشاں :- (شرماتے ہوئے) غنڈی کہیں کے، اچھا اعظم ! دیکھو آج شام کو تو
ملو گے نا، مجھے تم سے بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں ۔ میں آج شام
چھ بجے برنس گارڈن میں تمہارا انتظار کروں گی، آؤ گے نا!
اعظم :- آف کورس
نورافشاں :- مجھے بہت شدت سے انتظار رہے گا ۔
اعظم :- میں ضرور آؤں گا، وہ دیکھو تمہاری بس آرہی ہے، ٹاٹا
نورافشاں :- (ہاتھ ہلاتے ہوئے) بس کی طرف بڑھتی ہے، اعظم اپنے راستے
چلا جاتا ہے ۔

(پردہ اٹھ جاتا ہے)

تیسرا منظر

اسٹیج ایک چوبی پردے سے دو حصّوں میں بٹا ہوا ہے، ایک طرف ایک کرسی ایک میز اور میز کے سامنے ایک کرسی ہے، میز جیسے کسی دفتر کی ہے، جس پر دوات قلم اور کیلنڈر سے لے کر وہ ساری اسٹیشنری سجی ہوئی ہے جو ایک دفتر کی میز پر ہوتی ہے، چوبی پردے کے دوسری طرف ایک کرسی پر ایک چپراسی سو رہا ہے اور ساتھ ہی ایک لمبی سی بنچ بچھی ہوئی ہے، پردہ اٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ایک بہت موٹا توندیل بدشکل آدمی جو اس دفتر کا مالک ہے، داخل ہوتا ہے، چپراسی کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، پہلے وہ اپنے ڈنڈے کی نوک اس کی ناک کی نوک پر رکھتا ہے، چپراسی نیند میں مکھی اڑانے کے انداز میں ہاتھ ہلا دیتا ہے۔ اس کے بعد دفتر کا مالک

اپنے ڈنڈے کو پلٹ کر وہ سرا جو اس کے ہاتھ میں چپراسی کے پیٹ میں چبھوتا ہے، چپراسی ہڑبڑا کر جاگ پڑتا ہے۔ دفتر کا مالک غصہ سے پوچھتا ہے۔

مالک :۔ دفتر کے اوقات میں سوتے ہو۔

چپراسی :۔ معاف کیجئے صاحب، رات بھر میرے بچے نے رو رو کر مجھے سونے نہیں دیا۔

مالک :۔ کل سے اپنے بچے کو بھی دفتر لایا کرو۔

چپراسی :۔ (حیران ہو کر) جی؟

مالک :۔ تاکہ وہ تمہیں یہاں بھی نہ سونے دے۔

(یہ کہہ کر افسر غصے سے اندر چلا جاتا ہے، اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیتا ہے، جیسے خود بھی سو رہا ہے، اتنے میں چپراسی والے حصہ میں اعظم داخل ہوتا ہے اور سیدھے اندر جانے لگتا ہے کہ چپراسی ہاتھ پھیلا کر اسے روکتا ہے

چپراسی :۔ ہاں ہاں ہاں، اماں اندر کہاں جا رہے ہو؟

اعظم :۔ صاحب ہیں؟

چپراسی :۔ (اندر کی طرف جھانک کر) ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔

اعظم :۔ کیا مطلب؟

چپراسی :۔ ہیں، اسلئے کہ ہیں، اور نہیں، اس لئے کہ سو رہے ہیں۔

اعظم :۔ یہ کونسا سونے کا وقت ہے، اب تو بارہ بج رہے ہیں۔

چپڑاسی :۔ اماں بڑے آدمیوں کے تو ہمیشہ پورے بارہ ہوتے ہیں۔
اعظم :۔ لیکن صاحب نے تو مجھے ٹھیک بارہ بجے بلایا تھا۔
چپراسی :۔ ٹھیک ہے۔ اس وقت تو تمہارے بارہ بج رہے ہیں، جب صاحب کے بارہ بجیں گے دیکھا جائے گا، جاؤ، وہاں بنچ پر بیٹھ جاؤ (یہ کہہ کر چپراسی جیب سے چنے نکال کر مٹھی بھر چنے پھانک لیتا ہے)

(اعظم کچھ سوچ کر قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور پھر مسکراتے ہوئے چپراسی کے پاس آکر انگوٹھے پر چونی رکھ کر انگلی سے اوپر اچھالتا ہے۔ اور پوچھتا ہے)

اعظم :۔ بھیّا، تمہارا نام کیا ہے؟
(چونی کو دیکھ کر چپراسی کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور وہ چنے پھانکتا گھبرا کر مسکراتا ہوا اور بڑی لجاجت کے لہجے میں کہتا ہے)

چپراسی :۔ محمّد رمضان
اعظم :۔ واہ بھئی واہ۔ نام محمد رمضان اور یوں دن دہاڑے چنے پھانک رہے ہو؟ (اس کے بعد وہ ایک بار اور چونی انگوٹھے پر جماتا ہے اور اُسے اچھالتے ہوئے کہتا ہے)
بھئی محمّد رمضان اگر تم چاہو تو ابھی صاحب کے بارہ بجا سکتے ہو۔
(چپراسی ہوا میں اُچھلتی ہوئی چونی کو ہاتھ بڑھا کر اُچک لیتا ہے۔ اور چونی کو دکھاتے ہوئے اعظم سے کہتا ہے)

چپراسی:۔ اگر یہ بات ہے تو میں ہر وقت صاحب کے بارہ بجا سکتا ہوں

یہ کہہ کر وہ کاغذ کی ایک چٹ اعظم کو دیتا ہے، اعظم اس پر اپنا نام لکھتا ہے، اور چپراسی دبے دبے پاؤں اندر جاتا ہے، صاحب خراٹے لے رہے ہیں۔ چپراسی پہلے آہستہ سے کھنکارتا ہے، لیکن صاحب نہیں جاگتے، پھر وہ زور سے کھنکارتا ہے۔ صاحب ہڑبڑا کر جاگتے ہیں اور عینک لگا کر اُسے دیکھتے ہیں اور منہ چڑا کر کہتے ہیں)

صاحب:۔ اوہ تم ہو کمبخت، میں تو اس وقت لیڈی اسٹینوگرافر کی توقع کر رہا تھا، اچھا دیکھو، اس طرح کھنکار کر کسی کو جگانا نہایت بدتمیزی کی بات ہے، سمجھ گئے۔

چپراسی:۔ جی ہاں۔"

مالک:۔" تو جاؤ پھر"

چپراسی:۔" حضور ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

(وہ اعظم کا کارڈ پیش کر دیتا ہے۔ مالک بلند آواز سے پڑھتے ہیں)

محمدؐ اعظم بی۔اے (الگ)

مالک:۔ بھیجدو اندر۔

(چپراسی جاتا ہے اور اعظم کو اندر بھیجتا ہے)

اعظم:۔ السلام علیکم

مالک:۔ وعلیکم السلام رحمت اللہ وبرکاتہ،

(اور پھر عینک لگا کر اسے دیکھتا ہے۔ پھر آدھے شیشوں والی عینک لگا کر دیکھتا ہے، اس کے بعد ایک آنکھ کا چشمہ لگا کر دیکھتا ہے۔ اور کہتا ہے اور اعظم بڑی حیرت سے اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا ہے)

مالک :۔ بیٹھ جاؤ ماشاء اللہ بہت تندرست اور خوبصورت نوجوان ہو۔

اعظم :۔ جی یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔

مالک :۔ (قہقہہ لگا کر) بھئی یہ بھی خوب رہی! ذرہ نوازی؟ اماں یار تم پہاڑ ہو پہاڑ!

اعظم :۔ (مسکراتے ہوئے) اچھا تو چلیئے یہ آپ کی پہاڑ نوازی ہوئی۔

مالک :۔ یہ ہوئی نہ کوئی بات، اچھا یہ بتاؤ، یہاں کیوں آئے ہو۔؟

اعظم :۔ جی میں علیگڑھ یونیورسٹی کا فرسٹ کلاس گریجویٹ ہوں، پچھلے تین سال سے شدید قسم کی بیروزگاری کے دن گذار رہا ہوں۔

مالک :۔ بہت خوب، بہت اچھا کر رہے ہو۔

اعظم :۔ (حیران ہو کر) جی!

مالک :۔ جی وہی کچھ نہیں، بس کہے جاؤ، کہتے چلے جاؤ، تاکہ ہم سنتے جائیں اور سنتے چلے جائیں۔

اعظم :۔ مجھے آپ کے دوست سفارش علیخاں صاحب نے آپکے پاس بھیجا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی جگہ خالی ہے، اگر آپ اس کی جگہ مجھے مامور....

مالک :۔ (بات کاٹ کر) اماں بھول کر بھی اس جگہ کا نام نہ لو، جب سے

ہماری فرم قائم ہوئی ہے، ہم نے کوئی چودہ سپرنٹنڈنٹ ملازم رکھے لیکن پتہ نہیں کیا ہے جیسے ہی کوئی سپرنٹنڈنٹ ملازم ہوتا ہے، تین چار ہفتوں کے اندر انتقال کر جاتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آسامی سپرنٹنڈنٹ کی نہیں بلکہ موت کی آسامی ہے۔

اعظم :- جی میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کیونکہ آج کل میں جو زندگی گذار رہا ہوں وہ موت سے بھی بدتر ہے۔

مالک :- اماں بھئی - کیوں اپنا انتقال کروانے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔

اعظم :- قبلہ میں نے عرض کیا، میں موت سے نہیں ڈرتا۔

مالک :- بھئی کیا ڈینگ مار رہے ہو! موت سے نہیں ڈرتے؟ اماں نوجوان ہم نے تو بڑے بڑے رستموں کو موت کے سامنے کانپتے ہوئے دیکھا ہے، اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب کوئی دوسرا مرتا ہے تو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔

اعظم :- جناب عالی آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں۔ میں آج کل "تنگ آمد بہ جنگ آمد کا مصداق ہو گیا ہوں"۔

مالک :- نوجوان، شاید تمہیں نہیں معلوم کہ تم اس وقت کہاں بیٹھے ہو؟ میاں یہ فوجی بھرتی کا دفتر نہیں کہ تم موت اور جنگ کی باتیں کرو بھیّا یہ بکروں اور مینڈھوں کی کھالیں اور آنتیں در آمد برآمد کرنے کا دفتر ہے۔ اب تم بتاؤ بکروں اور مینڈھوں کی کھالوں اور آنتوں کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں۔؟

اعظم :۔ جی کچھ نہیں۔

مالک :۔ تو پھر کیسے گریجویٹ ہو یار تم! کالج میں کیا پڑھا تم نے ؟

اعظم :۔ جناب عالی ، میں نے فرسٹ کلاس میں بی، اے کا امتحان پاس کیا ہے میں نے ولیم شکسپئر ، جارج برنارڈ شاہ اور آغا حشر کے سارے ڈرامے شیلے کیٹس ، غالب اور اقبال کی ساری غزلیں اور نظمیں ، ڈاکٹر جانسن سے لے کر ابراہیم جلیس تک سارے مشہور ادیبوں کی تصنیفات، اس کے علاوہ عمرانیات ، معاشیات ، سیاسیات ، ....

مالک :۔ (بات کاٹ کر) تصنیفاف ، عمرانیات ، معاشیات ، سیاسیات ، لیکن بکرے کی آنت نہیں ، کیوں ؟ اچھا بتاؤ شارٹ ہینڈ اور ٹائپ ہینڈ جانتے ہو ؟

اعظم :۔ نہیں ۔

مالک :۔ اکاؤنٹنسی !

اعظم :۔ جی نہیں ۔

مالک :۔ اچھا تو یہ بتاؤ کہ ولیم شکسپئر نے بکرے کی کھال اور اقبال نے مینڈھے کی آنت کے بارے میں کوئی ڈرامہ ، کوئی غزل ، کوئی نظم اور کوئی مضمون وغیرہ لکھا ہے ؟

اعظم :۔ جناب عالی : میرا یہ خیال ہے کہ ولیم سکسپئر اور علامہ اقبال اس معاملے میں بڑے بد ذوق تھے ۔

مالک :۔ واقعی بڑے بد ذوق تھے ۔

اعظم :- وہ تو صرف انسانوں کے بارے میں لکھتے تھے ۔

مالک :- (سمجھانے کے انداز میں) بھیا اپنا تو یہ تجربہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں بکرا انسان سے کہیں زیادہ قیمتی ہے اور اپنے لئے تو انسان سے کہیں زیادہ بکرا عزیز ہے، میرے بھائی، تم جانتے ہو ہم نہ صرف بکرا کھاتے ہیں بلکہ بکرے کا دیا بھی کھاتے ہیں ۔

اعظم :- آپ بالکل درست فرماتے ہیں ۔

مالک :- درست فرمانا تو اپنی عادت ہے، اسی لئے میں تم سے یہ درست فرماتا ہوں کہ نوکری ووکری کا خیال چھوڑو ۔ ماشاءاللہ سے تندرست اور خوبصورت نوجوان ہو۔ میں تمہیں اپنے ایک عزیز دوست سیٹھ دولت خاں کے نام ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں سیٹھ دولت خاں کروڑپتی آدمی ہیں، ان کی تین کنواری لڑکیاں ہیں، ممکن ہے تمہارا کام بنجائے ۔

اعظم :- (حیران ہوکر) کنواری لڑکیاں، میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ۔!

مالک :- (رقعہ لکھتے ہوئے) سب کچھ سمجھ جاؤگے برخوردار، سب کچھ سمجھ جاوگے!

(رقعہ لکھ کر لفافہ میں بند کرکے اعظم کو دیتا ہے)

مالک :- بس اب سیدھے وہیں جاؤ ، اللہ بہتری کریگا ۔

اعظم :- مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مالک :- اب یہ اگر مگر چھوڑو یار، جاؤ بھی اب ، سونے دو، ۔ بھئی کمال کرتے ہو۔ (یہ کہہ کر وہ آنکھیں بند کرلیتا ہے اور کرسی کی پُشت پر دراز ہوجاتا ہے)

اعظم :۔ (کھڑے ہو کر) بہتر ہوتا اگر آپ مجھے اپنے ہی ہاؤس ۔۔۔۔
مالک :۔ (اسی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے) بھئی اب ہم گہری نیند سو رہے ہیں۔
یعنی کچھ نہیں سن رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب کچھ نہیں سن رہے ہیں تو
جواب بھی نہیں دے سکتے، اور اگر جواب دے بھی دیا تو وہ تمہارے لیئے
بیکار ہے، کیونکہ خواب میں کہی ہوئی باتیں ہمیشہ جھوٹ ہوتی ہیں۔
(اعظم، غور سے سوئے ہوئے مالک کو دیکھتا ہے اور سینہ بھر کر ٹھنڈی
سانس لیتا ہے اور آہستہ سے باہر جاتا ہے، اس وقت مالک ایک
آنکھ کھول کر اعظم سے کہتا ہے)
مالک :۔ سفارش علیخاں اور سیٹھ دولت خاں کو میرا سلام بھی کہہ دینا۔
(اعظم جیسے پلٹ کر دیکھتا ہے، مالک اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے۔ اور
ایک زور کا خراٹا لیتا ہے، اعظم دونوں کندھے اچکا کر پھر باہر نکل جاتا ہے
باہر چپراسی اسے روکتا ہے)
چپراسی :۔ کیوں بھیا، صاحب نے تمہارا کام بنا یا؟
اعظم :۔ کام تو نہیں بنایا البتہ مجھے ضرور بنایا ہے۔
چپراسی :۔ تو پھر مولا کا شکر کرو اور ایک دوسری چونی اچھالو۔
اعظم :۔ (دانت پیس کر) چونی چاہیئے چونی!
چپراسی (گھگھیا کر) ہاں چونی!
اعظم :۔ (الٹے ہاتھ سے مارنے کے انداز میں) ابے بھاگ مرغی کے۔
چپراسی :۔ (آستین چڑھاتے ہوئے) پھر کبھی آؤ گے تو سمجھ لوں گا۔
(پردہ گرجاتا ہے)

چوتھا منظر

(باغیچہ - ایک بنچ پر نور افشاں بیٹھی ایک کتاب کے مطالعہ میں محو ہے - اعظم پیچھے سے داخل ہوتا ہے اور اپنی فلیٹ ہیٹ اس کے سر پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :- ہیلو مس یونیورس!

نور افشاں :- (مصنوعی غصہ سے اس کی فلیٹ ہیٹ نکال کر ساتھ بنچ پر رکھ دیتی ہے اور کہتی ہے)

تم کبھی وقت کی پابندی نہیں کرتے، پورے ۴۵ منٹ لیٹ ہوئے ہو تو بس اب جانے ہی والی تھی۔

اعظم :- جب وقت میری پرواہ نہیں کرتا تو میں نے بھی اس کی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔

نور افشاں :- (اس کی کلائی کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہارے ہاتھ گھڑی کیا ہوگئی اعظم؟

اعظم :- میونسپل کارپوریشن کے کلاک ٹاور کیلئے ایک گھڑی کی ضرورت تھی، اسلئے میں نے اپنی گھڑی بیچ دی -

نورافشاں :- (ٹھنڈی سانس بھر کر) پتہ نہیں اعظم، کب تمہیں کوئی کام ملے گا۔ کبتک اس طرح اپنی چیزیں بیچ بیچ کر گذارا کرتے رہوگے؟

اعظم :- ان فضول باتوں کو چھوڑو - یہ باغ ہے، یہاں کچھ ایسی باتیں کرو جو پھولوں کی طرح خوش رنگ ہوں، کلیوں کی طرح مہکتی ہوں، شبنم کی بوندوں کی طرح چمکیلی ہوں اور جو اس ہری ہری گھاس کی طرح نرم اور ملائم ہوں -

نورافشاں :- اعظم! میں بہت عرصہ سے تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ....کہ اگر تم بُرا نہ مانو تو جب بھی ضرورت پڑے مجھ سے پیسے لے لیا کرو، پھر جب تمہیں نوکری مل جائے گی تم سارے پیسے مجھے لوٹا دینا، ہم دونوں کوئی غیر تھوڑی ہیں، آج نہیں کل .... (شرما کر چپ ہوجاتی ہے)

اعظم :- نہ نہ میڈم، میں ایسا کبھی نہ کرسکوں گا، جس معاشرے میں رہتا ہوں اس میں مرد عورت کی ہتھیلی پر روپیہ رکھتا ہے -- اس معاشرے میں ہمیشہ سے کوٹ کماتا اور ساڑھی بیٹھ کر کھاتی ہے -

نورافشاں :- تم کیسی دقیانوسی باتیں کرتے ہو، تعلیم یافتہ ہوکر بھی عورت کو مرد سے کمتر سمجھتے ہو۔

اعظم :- میں تو نہیں سمجھتا لیکن زمانہ ایسا ہی سمجھتا ہے، لیکن باغ میں درشام گئے

وقت یہ تم عورت کے سماجی درجہ کا کیا موضوع چھیڑ بیٹھی ہو، کوئی چاکلیٹ
پیپرمنٹ، اور چیونگ گم جیسی باتیں کرو نا۔!

نورافشاں:۔ ایسی باتیں میں کیسے کر سکتی ہوں اعظم، تم نہیں جانتے میں آج کل
کیسے ذہنی عذاب سے گذر رہی ہوں، تم اباجی کو جانتے ہو، امی کے مرنے
اور فوج سے پنشن لینے کے بعد وہ کیسے غلط راستوں پر پڑ گئے ہیں۔
شراب اور رنگ رلیوں میں انھوں نے جمع کیا ہوا سارا روپیہ اڑا دیا
ہے، آج کل سیٹھ حاجی رحمت اللہ کے عیاش بیٹے مسعود سے ان کی بڑی
گہری چھن رہی ہے وہ اس سے ہزاروں روپے قرض لے چکے ہیں۔

اعظم:۔ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اب انھیں راہ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔

نورافشاں:۔ میں انھیں ان کے حال پر تو چھوڑ دوں اعظم، لیکن، لیکن مصیبت
یہ ہے کہ مسعود سے میرا سودا بھی طے کر لیا ہے اور وہ آوارہ اور بدمعاش
مسعود ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے، اسکول تک چلا آتا ہے
راستہ چلنا مشکل کر رکھا ہے، کار لئے میرے پیچھے پیچھے گھومتا ہے۔
مجھے اس سے سخت نفرت ہے، اعظم سخت نفرت ہے۔

اعظم:۔ اب اگر کبھی مسعود سے ملاقات ہو تو اس سے کہنا کہ اعظم نہ صرف ایک
بہت اچھا باکسر بلکہ فری اسٹائل بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔

نورافشاں:۔ تم سنجیدہ سے سنجیدہ بات کو بھی یونہی مذاق میں ٹال دیتے ہو،
حالانکہ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

اعظم:۔ تو پھر تم چاہتی کیا ہو؟ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟

نورافشاں :- تم بہت کچھ کر سکتے ہو ۔ مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ تم زندگی کے راستے پر آخر تک میرے ساتھ چلو گے ، مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑو گے ۔ تاکہ میں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکوں ۔

اعظم :- ہمارے ملک کی نوجوان لڑکیاں بھی عجیب جذباتی ہوتی ہیں ، شادی کی فکر میں آئس کریم کی طرح پگھلتی رہتی ہیں ۔

نورافشاں :- تمہاری یہی باتیں مجھے پسند نہیں ۔ بتاؤ کیا کروں ؟

اعظم :- انتظار میڈم ، انتظار !

نورافشاں :- کب تک ۔؟ اگر اس انتظار کے دوران میرا روپیہ اور شراب کا لالچی باپ مجھے نیلام کر دے تو ....!

اعظم :- (نورافشاں کے دونوں کندھے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے بھرپور اعتماد کے لہجہ میں کہتا ہے)
دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نیلام نہیں کر سکتی نور ۔! اور اگر تمہارا نیلام بھی ہوگا تو سب سے اونچی بولی میں بولوں گا ، یہ ٹھیک ہے کہ میری جیب میں سگریٹ کا آدھا پیکٹ خریدنے کے بھی پیسے نہیں ہیں ، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ضرور خرید سکتا ہوں ـــ ضرور خرید وں گا ۔ ضرور اپنا لوں گا ۔

نورافشاں :- مگر .....

اعظم :- (اٹھتا ہے اور نورافشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتا ہے)
اب یہ اگر مگر چھوڑ دو ۔ آؤ کسی بڑھیا ریستوران میں چل کر ڈنر کھاتے ہیں ۔

میں جہاں ٹیوشن پڑھاتا ہوں وہاں سے مجھے تنخواہ ملی ہے۔ اور آج میں تمہیں اپنا نمک کھلانے کے بہت موڈ میں ہوں، آج مانگو جو مانگتی ہو، آج میں اس بغداد کا خلیفہ ہارون رشید ہوں۔ آؤ چلو۔

(اعظم اور نور افشاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلے جاتے ہیں)

:- (پردہ اٹھتا ہے) :-

پانچواں منظر

(نورافشاں کے باپ کا ڈرائنگ روم۔ نورافشاں کا باپ ریٹائرڈ کرنل ارباب خان، بیچ کے لمبے صوفے پر بیٹھا ہے اور اخبار پڑھ رہا ہے پردہ اٹھنے کے کچھ دیر بعد ایک سوٹ بوٹ، بوٹیڈ نوجوان جس کے منہ میں پائپ لگا ہوا ہے، اور جو چہرے بشرے سے بڑا پُر تصنع نوجوان معلوم ہوتا ہے، اندر داخل ہو کر ہلکے سے کھنکارتا ہے، کرنل چونکتا ہے۔)

کرنال ارباب خاں:۔ اوہ مسعود! آؤ بھئی آؤ۔ آجاؤ۔

مسعود:۔ (بیٹھتے ہوئے) ماشاءاللہ، کرنل صاحب آجکل تو دن بہ دن آپکی صحت نکھرتی چلی جارہی ہے۔

کرنل ارباب:۔ (مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے) میاں مسعود! اب کیا رکھا ہے، تم جوانی میں دیکھتے۔ اب تو عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ ہے، لیکن اب بھی

دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر حکومت میری خدمات حاصل کرے تو چوبیس گھنٹوں کے اندر سری نگر پہنچکر مہاراجہ کشمیر کے محل پر اپنا سبز ہلالی پرچم نہ لہرادوں تو میرا نام ارباب خاں نہیں ۔

مسعود :- کوائٹ ٹرو ، کوائٹ ٹرو کرنل صاحب !

(اسی اثنا میں نورافشاں داخل ہوتی ہے اور مسعود کو دیکھکر ٹھٹک جاتی ہے) ۔

کرنل ارباب :- آؤ بیٹی - آجاؤ - یہاں کوئی غیر نہیں بیٹھا ہے ۔

(مسعود سے مخاطب ہوکر) یہ میری بیٹی نورافشاں ہے ، کہنے کو تو میں اس کا باپ ہوں - لیکن جہاں تک میری نگہداشت کا تعلق ہے ، یہ میری باپ ہے ، میں تو اپنی ساری پنشن شراب میں اڑا دیتا ہوں ، یہ بیچاری ملازمت کرتی اور گھر کا سارا خرچ چلاتی ہے - میں چونکہ آزاد خیال آدمی ہوں ، اس لئے عورتوں کے ملازمت کرنے کو بُرا نہیں سمجھتا ۔

(نورافشاں سے مخاطب ہوکر) :- بیٹھو بیٹی ، بیٹھ جاؤ ، تم انہیں جانتی ہو! تم بھلا انھیں کیسے جا سکتی ہو ، پہلے تمہارا کبھی تعارف ہی نہیں کرایا گیا ۔ یہ ہیں مسٹر مسعود علی خاں ، میرے نہایت عزیز دوست ، سیٹھ حاجی رحمت اللہ سوت گولہ والے کے اکلوتے صاحبزادے ، حال ہی میں ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے لوٹے ہیں ۔

مسعود :- ویری گلیڈ ٹو میٹ یو مادام !

(مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے ، لیکن نورافشاں اپنے دونوں ہاتھ باندھ لیتی ہے

مسعود جھینپ کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور کہتا ہے)

مسعود:۔ نیور مائینڈ۔ نیور مائینڈ، ابھی ہماری کنٹری کی گرلز بڑی شائی ہیں ترقی تو کچھ انگلش گرلز نے کی ہے، کرنل صاحب، جب میں لندن میں تھا...

کرنل ارباب:۔ (بات کاٹ کر) اماں یار لندن کی بات چھوڑو، شام پڑ رہی ہے کہو، کچھ پیو گے؟ (نورافشاں سے مخاطب ہو کر)

جاؤ بیٹی، بتی جلانے کا انتظام کرو۔

مسعود:۔ (حیران ہو کر روشنی کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے) بتی تو جل رہی ہے کرنل صاحب!

کرنل:۔ اماں یہ بتی نہیں، بلکہ وہ بتی جو روح میں جلتی ہے۔

(نورافشاں اٹھتی ہے۔ اور اندر جاتی ہے۔ مسعود مسکرا کر کہتا ہے)

مسعود:۔ اوہ! خوب، خوب

کرنل:۔ میاں مسعود! یہ شراب بھی خوب چیز ایجاد ہوئی ہے، اسے ام الخبائث کہا جاتا ہے، لیکن مجھے تو یہ "ام المظلومین" معلوم ہوتی ہے، ایک گھونٹ میں سارے دکھ درد، دور ہو جاتے ہیں، اور یہ برسوں پرانی بوڑھی دنیا جوان نظر آنے لگتی ہے، اپنی تو خداوند تعالیٰ سے ایک گذارش ہے، ہم مرنے کے بعد جنت میں جانے سے تو رہے، دوزخ کے سوائے اپنا ٹھکانہ اور کوئی نہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ سے صرف اتنی اجازت لوں گا کہ ہمیں جہنم کا کوئی گوشہ تنہائی دیدے۔ اور اسکاچ وہسکی کی ایک بوتل، بس اپنی آخرت سنور جائے گی۔

(اسی اثنا میں نور افشاں نوکر کو ساتھ لے کر آتی ہے، نوکر کے ہاتھ میں ایک ٹرے ہے جس میں بلیک اینڈ وہائٹ کی بوتل، دو گلاس، ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اور برف کا ڈونگا رکھا ہوا ہے، نوکر قرینے سے یہ ساری چیزیں میز پر جما دیتا ہے، اس کے بعد نور افشاں نوکر کے ساتھ جانے لگتی ہے تو مسعود پوچھتا ہے)

مسعود:- آپ ہمیں کمپنی نہیں دیں گی

نور افشاں:- سوری! (اندر چلی جاتی ہے)

مسعود:- ویری سیڈ! کرنل صاحب جب میں لندن میں تھا......

کرنل:- (پیگ بناتے ہوئے بات کاٹ کر) اماں اب بھول جاؤ لندن کو۔ جب سے ہم آزاد ہوئے ہیں۔ لندن کراچی سے بہت دور ہو گیا ہے۔ یہ کراچی ہے کراچی۔ جب میں فوج میں تھا......

مسعود:- (انتقاماً بات کاٹ کر) آپ کی ڈاٹر کا ایجوکیشن کہاں تک ہے؟

کرنل:- بی۔ اے۔ بی ٹی پاس ہے۔ میں اسے اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن بھیجنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب میں فوج میں تھا......

مسعود:- (بات کاٹ کر) ویری گڈ۔ ہماری کنٹری کی گرلز اب کافی ایجوکیٹڈ ہوتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ جب میں لندن میں تھا......

کرنل:- (بات کاٹ کر) اماں پیو گے نہیں، بناؤں پیگ؟

مسعود:- نو تھینکس۔ میں ڈرنک تو کرتا ہوں لیکن آپ میرے گھر کے ماحول کو جانتے ہیں، کس قدر آرتھوڈاکس ہے، آجکل میں اپنے بیڈ روم میں چھپ کر پیتا ہوں

تاکہ کسی کو پتہ نہیں چلے ۔ چنانچہ جب میں لندن میں تھا ۔۔۔۔۔۔۔

کرنل :۔(بات کاٹ کر) بہت اچھا کرتے ہیں آپ ، خدا بخشے جب والد مرحوم زندہ تھے ۔میرے ساتھ بھی یہی مصیبت تھی تم تو بید روم میں چھپ کر پیتے ہو اور یار تو لیبوٹری میں چھپ کر پی لیا کرتے تھے ،بہرحال پیتے ضرور تھے ۔اور جب میں فوج میں تھا ۔۔۔۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) اچھا میاں اب موج کے وقت فوج کا کیا ذکر؟

(پیگ اٹھاتا ہے اور ٹوسٹ پرپوز کرنے کے انداز میں کہتا ہے)

کرنل :۔ اچھا ۔خدا حافظ

مسعود :۔ خدا حافظ ،سن کر کچھ پریشان ہوتا ہے گھڑی دیکھتا ہے اور کرنل کیطرف لیکن کرنل ایک سانس میں پورا گلاس غٹ غٹ چڑھا کر خالی گلاس میز پہ رکھتا ہے اور اپنی بھیگی ہوئی مونچھوں کو صاف کرتے ہوئے مسعود سے کہتا ہے)

کرنل :۔مسعود میاں :۔ میں جب پیتا ہوں تو ہمیشہ خدا حافظ کہہ کر ہی پیتا ہوں ، کیونکہ مجھ جیسا پینے والا جب پانچ چھ پیگ پی جاتا ہے تو پھر سچ مچ خدا کی حفاظت میں پہنچ جاتا ہے ۔چنانچہ جب میں فوج میں تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔

مسعود :۔(بات کاٹ کر) بہت خوب ،بڑی نادلچسپ ہے اس طرح پینے میں ! جب میں لندن میں تھا ۔۔۔۔۔۔

کرنل :۔ (بات کاٹ کر) آجکل آپ کی اپنی آمدنی کیا ہے ،مسعود صاحب!

مسعود :۔ ابھی تو مجھے بارہ سو روپے ماہوار پاکٹ منی ملتی ہے ،لیکن

آپ تو جانتے ہیں ملٹی ملینیر کا بیٹا ہوں - فادر تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کے بعد میں ساری جائیداد کا اکیلا وارث ہوں -

کرنل :- ہونہہ - اچھا تو پھر آپ کے فادر کب تک اس دنیا سے تشریف لیجانے کا ارادہ رکھتے ہیں -؟

مسعود :- (چونک کر) کیا فرمایا آپ نے کرنل صاحب!

کرنل :- (بات سمجھکر) معاف کیجئے، ذرا ہلکا ہلکا سا اینٹا گونی کیشن ہو رہا ہے، ممکن ہے اسی کے تحت یہ واہیات بات منہہ سے نکل گئی -

مسعود :- (مسکراتے ہوئے) اوہ، کوئی بات نہیں - میں بھی سچ پوچھئے تو بڑی مدت سے ایسی واہیات بات کا انتظار کر رہا ہوں - میں جب لندن میں تھا....

کرنل :- (بات کاٹ کر) بڑے سعادت مند ہو - ماشاءاللہ - آخر بھلا، کبتک اس طرح بیڈ روم میں چھپ چھپ کر پیتے رہوگے؟

مسعود :- (ہنسکر) کرنل صاحب - میں آج جس مقصد کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے وہ بیان کر دینا چاہئے -

کرنل :- ضرور، ضرور بیان کیجئے -

مسعود :- میں یہ عرض لے کر حاضر خدمت ہوا تھا کہ اب آپ مجھے اپنی فرزندی میں لینے کے معاملے میں تاخیر سے کام نہ لیں - آپ یقین رکھئے جب تک میرے والد صاحب میرے سر پر شادی کا سہرا نہیں دیکھیں گے وہ یہ دنیا ہرگز نہیں چھوڑیں گے -

کرنل - ان سے ہمیشہ کیلئے اجازت لینے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے -

مسعود:- اوں ہوں، فی الحال تو کوئی نہیں -

کرنل:- لیکن مسٹر مسعود، ابھی ذرا میرا ہاتھ تنگ ہے، فوج سے مجھے گیارہ ہزار روپے ملنے والے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ مہینے تک مل جائیں گے، آخر میں اپنی بیٹی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں۔

مسعود:- روپوں کی بات چھوڑیئے، مجھ سے اور قرض لیجئے، ویسے بھی اب آپ کا اور میرا روپیہ الگ الگ تو نہیں ہے۔ آج تو تاریخ مقرر ہی کر دیجئے گا۔ کرنل صاحب!

کیونکہ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو میں بزنس ٹور پر لندن جا رہا ہوں، ارادہ ہے کہ ہنی مون وہیں مناؤں -

کرنل:- (کچھ سوچتے ہوئے) دوسری مصیبت یہ ہے مسٹر مسعود کہ لونڈیا اپنے کالج کے زمانے کے ایک مفلس ساتھی کی محبت میں گرفتار ہے -

مسعود:- یہ بھی جانتا ہوں شاید اس کا نام اعظم ہے۔ لیکن کرنل صاحب، میرے پاس روپیہ ہے، یہ مجھ پر چھوڑ دیئے، میں ایک چھوڑ دس اعظم خرید سکتا ہوں

کرنل:- (تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے ہوئے) اچھا۔ تو پھر اللہ کا نام لے کر تاریخ مقرر کئے دیتے ہیں، اگلے مہینہ کی دوسری تاریخ کیسی رہے گی ؟

مسعود:- میں تو آج بھی تیار تھا۔ خیر اگلے ماہ کی دوسری تاریخ ہی سہی، اچھا کرنل صاحب میں سمجھتا ہوں کہ اب مجھے چلنا چاہئے۔

(کرنل بیگ ہاتھ میں لئے گہری سوچ میں مبتلا ہے)

مسعود:- پاکستان آ کر مجھ سے وقت کی پابندی کی عادت چھوٹتی جا رہی ہے، جب

میں لندن میں تھا۔ . . . . .

کرنل :۔ (چونک کر غصّے سے بات کاٹتے ہوئے) اماں کیا لندن لندن لگار کھا ہے تم آدمی ہو یا لندن! ارے بھائی ہم بھی لندن گئے تھے، تم سمجھتے ہو ہم صرف ٹنڈو آدم ہی گئے تھے، جب میں فوج میں تھا۔ . . . . .

مسعود :۔ (جو کرنل کے اس اچانک غصّے سے حیران ہے خود بھی غصّہ میں آکر اس کی بات کاٹتا ہے)

"رہنے دیجئے کرنل صاحب، میں آپ کی فوج والی بات ہرگز نہیں سنوں گا۔

کرنل :۔ کیوں بھلا؟

مسعود :۔ آپ میری لندن والی بات سنتے ہی نہیں۔

کرنل :۔ (ہلکا سا قہقہہ لگا کر) اچھا یہ بات ہے! گرم کیوں ہوتے ہو۔ فرض کر لو کہ نہ میں کبھی فوج میں تھا، اور نہ تم کبھی لندن میں تھے۔ چلو ہوگئی نہ بات ختم۔ اچھا بھیّا اب تم بھی جاؤ۔ میں بھی آرام کروں۔ اب تو میں بڑے مزے میں ہوں نشہ میں بالکل ٹائٹ، نشہ اور نیند سے آنکھیں کڑوائی جارہی ہیں۔ جب میں فوج میں تھا۔ . . . . .

(یہ کہہ کر مسعود کی طرف دیکھتا ہے، لیکن مسعود بات نہیں کاٹتا، اسلئے کرنل پوری بات کہہ دیتا ہے)

"تو ٹھیک دس بجے بستر پر دراز ہو جاتا تھا۔

مسعود :۔ اور جب میں لندن میں تھا۔ . . . .

(یہ کہہ کر وہ کرنل کی طرف دیکھ کر رک جاتا ہے، لیکن بات کاٹنے کے بجائے کرنل

کہتا ہے)

کرنل :۔ رکو نہیں کہے جاؤ، کہے جاؤ۔

مسعود :۔ جب میں لندن میں تھا تو ٹھیک گیارہ بجے بستر پر دراز ہو جاتا تھا۔

(دونوں ہنستے ہیں، مسعود کھڑا ہو جاتا ہے)

مسعود :۔ اچھا کرنل صاحب! اب مجھے اجازت دیجیے، گڈ نائیٹ

کرنل :۔ گڈ نائیٹ!

مسعود :۔ (دروازے قریب جاکر)

"کل شام" ایوی ننگ ٹی میں آپ ہی کے ساتھ پیوں گا۔

کرنل :۔ آل رائیٹ۔ گڈ نائیٹ۔

(مسعود چلا جاتا ہے۔ اس کے جاتے ہی نورافشاں اندر کمرے میں

داخل ہوتی ہے)

نورافشاں :۔ ابا جی، یہ تاریخ کیا مقرر ہو رہی تھی؟

کرنل :۔ تمہاری شادی کی تاریخ بیٹی!

نورافشاں :۔ کس سے؟ اس چوڑی کے غلام سے، اس ویک کے بادشاہ سے، اس

جینی لنگورسے! جو ابھی ابھی یہاں سے دفان ہوا ہے!

کرنل :۔ تم تو اس سے بڑی ناراض معلوم ہوتی ہو!

نورافشاں :۔ میرا بس چلے تو میں دنیا کی کسی لڑکی سے اس کی شادی نہ ہونے دوں!

کرنل :۔ تم اس کو جانتی ہو؟

نورافشاں:۔ بہت اچھی طرح اِس نے کئی بار اسکول آکر مجھ سے ملنے کی کوشش کی ہر کوں پر میرا پیچھا کرتا ہے غنڈہ کہیں کا!

کرنل:۔ (سمجھانے کے انداز میں) بیٹی تم پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو۔ یہ بھی جانتی ہو کہ اس دنیا کی سب سے بڑی خوبصورتی دولت اور سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے اور وہ اس کے پاس ہے۔

نورافشاں:۔ مجھے ایسی خوبصورتی اور طاقت سے نفرت ہے!

کرنل:۔ (کھڑے ہو کر قدرے غصہ سے) نور میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس مفلس لونڈے نے بہکا رکھا ہے، محبت کے سوائے تمہیں کیا دے سکتا ہے؟ محبت ڈبل روٹی نہیں جو تمہارا پیٹ بھر سکے، محبت جارجٹ کی ساڑی نہیں جو تمہارا جسم ڈھانک سکے، محبت کوئی کوٹھی نہیں جس میں تم رہ سکو نکالو اس منحوس لونڈے کو دل سے۔

نورافشاں:۔ (کرخت لہجے میں) اباجی! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، آپ اس معاملے میں مجھے کوئی رائے نہیں دے سکتے۔

کرنل:۔ (چونک کر حیرت سے اپنی بیٹی کو گھور گھور کر دیکھتا ہے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب آتا ہے اور بڑے ملائم لہجے میں کہتا ہے)

کرنل:۔ یہ ضد چھوڑ دو بیٹی۔ اب میں باپ بن کر تم سے بات کر رہا ہوں۔ اور اس ملک کے تمام باپوں کی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک شاندار کوٹھی کی مالکن بنو، رولس رائس کار میں گھومو، تمہارے بُک شیلف میں ناولوں

اور دیوانوں کے بجائے صرف چیک بک ہی چیک بک ہوں۔ رہا زندگی گزارنے کا سوال۔ تم پڑھی لکھی سمجھدار ہو، جس طرح کوئی نہایت بدصورت لڑکی تمہاری عمدہ سہیلی بن سکتی ہے، اسی طرح مسعود بھی ایک اچھا شوہر ہو سکتا ہے۔

نورافشاں۔ آباجی۔ مجھے نہ کوٹھی چاہیئے، نہ رولس رائس، نہ چیک بک، نہ روپیہ!

کرنل:۔ (غصہ سے) لیکن مجھے تو چاہیئے!

نورافشاں:۔ (ایک دم چونک کر حیرانی سے) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آباجی!

کرنل:۔ (ایکدم سنبھلکر نہایت دردناک لہجہ میں) بیٹی آج میں تمہیں وہ راز بتا ہی دوں گا جو میں نے ہمیشہ تم سے چھپائے رکھا۔ ویسے وہ راز کیا۔ ایک عام سی بات ہے جس کو تم آئے دن اپنی آنکھوں سے ارد گرد کے گھروں میں اور فلموں میں دیکھتی ہو، ناولوں اور افسانوں میں پڑھتی ہو، وہی بار بار دہرائی جانے والی بات پھر دہرائی جا رہی ہے، میں سیٹھ حاجی رحمت اللہ سوت گوے والے کا ڈیڑھ لاکھ روپے کا مقروض ہوں، یہ مکان جس میں تم رہتی ہو یہ بھی اسی کے پاس رہن ہے، وہ چاہے تو مجھے کسی وقت بھی جیل بھجوا سکتا ہے، کسی وقت بھی خودکشی پر مجبور کر سکتا ہے۔ یہ ... ... یہ! ... ... خدا ہی کی طرف سے بات ہوئی کہ مسعود خود تمہارا گرویدہ ہو گیا۔

نورافشاں:۔ اور آپ اب مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے کے پرامیسری نوٹ کی طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں!

کرنل :- میں بہت مجبور ہوں بیٹی! ویسے اگر تم مجھے جیل بھجوا کر میری غیر طبعی موت کا نظارہ کر سکتی ہو تو تمہیں ہر بات کا پورا پورا حق ہے بیٹی -!

نورافشاں :- لیکن اباجی! میں بالکل پسند نہیں کرتی، بالکل نہیں باجی!

کرنل :- شریفوں کی بیٹیاں کبھی اپنا شوہر خود پسند نہیں کرتیں، بلکہ ان کے ماں باپ ان کے شوہر پسند کرتے ہیں، بتاؤ کیا تمہاری ماں نے مجھے پسند کیا تھا؟ ہرگز نہیں، وہ مجھ سے پہلے پہل نفرت کرتی تھی۔ لیکن میری شادی اس سے ہونی تھی ہو گئی - ایسا سب شریف گھرانوں میں ہوتا ہے - ہم بھی شریف لوگ ہیں بیٹی!

نورافشاں :- (طنزیہ لہجہ میں) ہونہہ شریف لوگ!

کرنل :- (غصہ سے) تمہیں اسی وقت جواب دینا پڑے گا نور! کیا تم باپ کی غیر طبعی موت، یا لمبی قید پر ایک مفلس نوجوان کی محبت کو ترجیح دو گی - کیا تم اتنی خود غرض ہو بیٹی کہ اپنے طلبش کی خاطر اپنے باپ کی ایک درخواست کو ٹھکرا دو گی - جس نے پچھلے پچیس سال سے تمہیں بالکل بے غرض طریقے پر پالا، پوسا، تعلیم دی - تمہیں اتنا کچھ بنا دیا اور کبھی اس کا معاوضہ تک طلب نہیں کیا -

نورافشاں :- (غصّہ سے) معاوضہ! (دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ کر چیختی ہوئی اندر بھاگ جاتی ہے)

بس اباجی بس، میں اب کچھ نہیں سنوں گی، کچھ نہیں سننا چاہتی

کچھ نہیں سننا چاہتی۔

(کرنل غصے سے شراب کا آدھا پیگ اُٹھاتا ہے اور غٹ غٹ چڑھا کر گلاس اس زور سے میز پر رکھتا ہے کہ گلاس ٹوٹ جاتا ہے)

: اور پردہ گر جاتا ہے :

چھٹا منظر

"سڑک - فٹ پاتھ پر ایک بنچ بچھی ہوئی ہے - جس پر اعظم بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے، تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام گرانڈیل نوجوان جس نے ٹیکسی ڈرائیوروں جیسی ٹوپی پہنی ہے، چوڑے پیٹول والی رنگ برنگی جست بنیان اور نیلے رنگ کی پتلون میں ملبوس پاؤں میں لانگ بوٹ، گلے میں ایک رنگین رومال، صورت شکل سے وہ غنڈہ اور پاکٹ مار معلوم ہوتا ہے، اعظم کو بہترین سوٹ میں ملبوس دیکھکر وہ ہال کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے قریب جاکر بنچ پر ساتھ بیٹھ جاتا ہے اور مسکراتے ہوئے پوچھتا ہے"

غنڈہ:۔ جرا ماچس ہوئینگا بابو تمہارا پاس؟

(اعظم اس پر ایک سرسری نظر ڈالکر جیب سے ماچس نکال کر اس کے حوالے کر دیتا ہے اور اخبار پڑھنے میں مصروف ہوجاتا ہے)

غنڈہ:۔ (اسی طرح گھگھیا کر مسکراتے ہوئے) ماچس کے واسطے ایک سرگٹ بھی مل جائینگا بابو؟

(اعظم اخبار سے چہرہ ہٹا کر غور سے غنڈے کو دیکھتا ہے اور جیب سے پاسنگ شو سگریٹ کی ڈبیا نکال کر اسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔)

اعظم:۔ جناب بڑے بے تکلف انسان معلوم ہوتے ہیں، لیجئے شوق فرمائیے۔

غنڈہ:۔ (سگریٹ لے کر مسکراتے ہوئے) تم بڑا گڈ آدمی معلوم ہوتا ہے بابو۔

(اعظم کوئی جواب نہیں دیتا، غنڈہ ماچس زور سے جلاتا ہے جس سے ایک شعلہ بھڑک کر بجھ جاتا ہے۔)

غنڈہ:۔ بابو یہ سالا تمہارا ماچس کیسا ہے، سالا جلتا کم جلاتا جیاستی ہے، ذرا تم تکلیف کرونا۔!

(اعظم اس کے ہاتھ سے ماچس لے کر جلاتا ہے، لیکن جب اس کا سگریٹ جلانا چاہتا ہے تو غنڈہ اعظم کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالدیتا ہے، لیکن اعظم فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے غنڈہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اعظم کہتا ہے)

اعظم:۔ میرے نئے دست کار دوست، تم اس میں سے جو کچھ نکالنا چاہتے ہو وہ

اس میں نہیں ہے۔ جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر تمہیں مایوسی ہوگی۔ اس جیب میں صرف ایک میلا رومال، پاسنگ شو کی تین سگریٹیں تھوڑے سے چنے اور میری محبوب کا ایک محبت نامہ ہے۔

(غنڈہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے لیکن اعظم مضبوطی سے اس کی کلائی پکڑ رکھتا ہے)

اعظم:۔ گھبراؤ نہیں! میرے دوست میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔ اطمینان سے بیٹھو۔ مجھے تمہاری مہربانی کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔

غنڈہ:۔ ہم تم کو ایک دم غلط سمجھا بابو، ہم کو معاف کر دیو، ہم سالا بڑا سوری فیل کرتا پڑا ہے۔ ہم پارڈن مانگتا ہے، مرسی مانگتا ہے۔

اعظم:۔ تم مرسی مانگتا اور ہم تمہارا تھینکس ادا کرتا ہے کہ تم نے جیب کاٹنے کے لئے قینچی یا ریزر بلیڈ استعمال نہیں کیا، ورنہ کالج کے دنوں کی یہ آخری اور بہترین یادگار۔ یعنی یہ سوٹ ستیا ناس ہو جاتا۔ اب یہی ایک سوٹ باقی رہ گیا ہے جس سے عزت بچی ہوئی ہے، تمہیں روکنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کر کے تمہاری شاگردی اختیار کرنا چاہتا ہے۔

غنڈہ:۔ ہم سمجھا نہیں، سالا تم کیا بولتا پڑا ہے؟

اعظم:۔ بس تم سے یہ دستکاری سیکھنا چاہتا ہوں، یعنی یہ سیکھنا چاہتا ہوں کہ جیب کس طرح کاٹی جاتی ہے۔

غنڈہ چھی چھی۔ تم بابو لوگ، تم سالا کیسے یہ کام کر سکتا ہے۔

اعظم :۔ ہم برو بر میں کرنا سکتا مسٹر ...... مسٹر؟ تمہارا نام!
غنڈہ :۔ (ملتھے پر بالوں کی ایک لٹ گراکر) عبدل عرف دلیپ کمار۔ جب ہم
بمبئی میں تھا تو لوگ بمبئی سالا ہم کو ،، پرنس آف چوپاٹی " بولتا تھا۔
اعظم :۔ ویل ہز ہائی نس پرنس آف چوپاٹی تم آج ہم کو اپنا شاگرد بنالو۔ ہم
بہت تنگ آگیا ہے۔

عبدل :۔ تم سالا ہم پر چوٹ مارتا ہے، ہم سمجھ گیا۔
اعظم :۔ چوٹ نہیں مارتا عبدل، تم نہیں جانتا، ہم سالا تم سے بھی جیا ستی
کرتا ہے ۔ ادھر دو سال سے نوکری کی تلاش کرنا پڑا ہے لیکن سالا نوکری
سالا لوگ کو ملتا ہے ، تم تو جیب کاٹ کر کچھ نہ کچھ کما ہی لیتا ہے ۔ لیکن
سالا ہم یہ بھی نہیں کر سکتا اب تم ہی بتاؤ، ہم پاکٹ نہیں ماریگا کو کیا کریگا۔

عبدل :۔ بن کے بابو، پاکٹ مارنا تو بڑا ازرم ہے، کرائم ہے۔
اعظم :۔ تمہارا ہمارا پاکٹ مارنا ضرور جرم ہے عبدل، کیونکہ تمہیں اور ہمیں
پاکٹ مارنے کا صحیح طریقہ نہیں آتا، ہاتھ کی صفائی، ریزر بلیڈ،
اور قینچی سے جیب کاٹنا ہے ۔ لیکن یہ جو بڑی توند والا ہوتا ہے نا، یہ جیب
کاٹنے کے لئے قینچی، بلیڈ یا انگلی نہیں استعمال کرتا، بلکہ چیزوں کی قیمتیں
بڑھا کر بازار کی چیزیں چور بازار میں لیجا کر، مکانات کیلئے ہمارے
اور تمہارے سروں پر پگڑیاں باندھکر حکومت اور قانون کی آنکھوں میں
دھول جھونک کر ایسی صفائی سے جیب کاٹتا ہے کہ جیب بھی موجود، جیب
والا بھی موجود، لیکن جیب کا مال صاف!

عبدل :- (زور کا ایک قہقہہ لگا کر اعظم کی پیٹھ پر محبت سے ایک زور کا ہاتھ مارتا ہے اور کہتا ہے) یار تم بڑے مجے کی باتیں کرتا ہے، ہم کو سالا تم پر رحم آتا ہے پن کی فکر نیں کرو۔ آج سے ہم تمہارا دوست ہے، تمہارا برادر ہے، تم ہم کو بمبئی میں ملتا تو ہم تم کو بھی پرنس بنا دیتا۔ تم سالا یہاں ملا۔ ادھر تو اپنا بڑا خانہ خراب ہو گیا۔ بڑی گڑ ما فک لائف ہے، لوگوں کو کھانے کو روٹی تو کیا پائزن تک نہیں ملتا۔ پھر بھی ہم فرینڈ کا مافک تمہارا ہیلپ کرینگا (یہ کہہ کر عبدل جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر اعظم کی جیب میں ڈالنا چاہتا ہے اور اعظم اس کا ہاتھ روکتا ہے تو عبدل غصہ سے کہتا ہے)

عبدل :- خدا قسم تم ہمارا ہاتھ نہیں روکونی۔ ہم تم کو فرینڈ بولا۔ برادر بولا، تم برادر کا مدد نہیں لیں گا تو ہم تمہارا لائف کا دشمن بن جائینگا۔ تم نے کبھی موالی کا محبت نہیں دیکھا۔ ہم بھی بہت اچھا آدمی ہے بابو۔

اعظم :- تمہارا بہت بہت شکریہ عبدل، سچ مچ تم بہت اچھا آدمی ہے، کوئی آدمی ماں کے پیٹ سے اچھا یا برا نہیں پیدا ہوتا۔ سب انسان معصوم پیدا ہوتے ہیں، لیکن بڑے ہونے کے بعد اچھا یا برا ماحول اور یہ کمبخت روپیہ اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے، اب جو تم یہ برا کام کرتے ہو مجبوری کی وجہ سے کرتے ہو، جس طرح پرانے زمانہ میں گھی ٹیڑھی انگلی سے نکلتا تھا، اسی طرح اس زمانے میں روپیہ بے ایکانی سے حاصل ہوتا ہے

عبدل :- اب سالا تم لکچر بازی چھوڑو، ہمارا بھیجا نکو کھاؤ۔ ہم تمہارے کو ایک

کام دلا نا سکتا ہے ، مگر سالا تم نیں کریں گا۔

اعظم :۔ ہم برابر کرے گا ۔

عبدل :۔ (دونوں ہاتھ اٹھاکر) بہت محنت کا کام ہے ۔

اعظم :۔ ہم محنت سے نہیں ڈرتا۔ محنت دنیا کی سب سے بڑی عزت ہے۔
ہم بھی محنت کی روٹی کھانا منگتا ہے۔

عبدل :۔ تو پھر سالا تم فکر کیوں کرتا ہے، آج ہی ہم تم کو وہ کام دلائیں گا۔
تم رات میں وہ کام کرو ، دن کو بڑھی نوکری ڈھونڈو ۔ تم سالا
بی، اے پاس ہے، تم کو ضرور کوئی بڑا نوکری ملینگا۔ تم سالا پولیس
میں انسپکٹر (انسپکٹر) بن جائے گا۔ آؤ اٹھو چلتے ہیں ۔

(عبدل اعظم کو بنچ پر سے اٹھالیتا ہے)

عبدل :۔ ابھی ذرا ہم سنڈرر روڈ کا ایک چکر لگائینگا ، اگر آج کوئی
بڑا پاکٹ ملیں گا تو ہم تم کو ففٹی ففٹی دیں گا ، تم دعا کرو،
کوئی مرغا پھنسے۔

اعظم :۔ یہ بہت بری بات ہے عبدل ۔ میں تمہیں یہ کام کرنے نہیں
دوں گا ۔

عبدل :۔ ارے جاؤ رے ۔ جب تک پولیس میں انسپٹر (انسپکٹر)
بن جائینگا تو ہم تمہارا سامنے پاکٹ ماریں گا۔ تم کیا سمجھتا ہے۔
ہم پرنس آف چوپاٹی ہے ، پرنس آف چوپاٹی ....
آؤ چلو !

عبدل ناچنے کے انداز میں چلتا ہے اور گاتا ہے

ع ہم لاکھ چلیں ری گوری تھم تھم کے

-: پردہ اُٹھ جاتا ہے :-

ساتواں منظر

"اعظم کا کمرہ - فرنیچر وہی جو پہلے منظر میں تھا - کمرے میں مجید بیٹھا
ایک تصویر کے فریم کو کھول رہا ہے - اعظم تھکے ہارے قدموں
داخل ہوتا ہے اور آرام کرسی پر گر کر پوچھتا ہے"

اعظم :- سناؤ بھئی حکیم دقیانوس ! کیا جھک مار رہے ہو؟

مجید :- اپنی بی، اے کی سند پر مس ریٹیا ہیورتھ کی تصویر چڑھا رہا ہوں -
کم از کم کمرے کی رونق تو بڑھ جائے گی -

اعظم :- بہت اچھا کر رہے ہو - میری بی، اے کی ڈگری پر نورجہاں
کی تصویر لگا دو - کم از کم آنکھوں کو تراوٹ تو محسوس ہوگی

مجید :- یار اعظم ! یہ بی، اے کی ڈگری ردی میں بھی تو فروخت نہیں ہو سکتی -
اچھا بتاؤ تمہارے انٹرویو کا کیا بنا ؟

اعظم :- وہی جو تمہارے انٹرویو کا بنا اور سارے انٹرویوز کا بنتا چلا آیا ہے ۔

مجید :- ارے ہاں اعظم - میں تو تمہیں آج ایک نہایت دلچسپ واقعہ بتانا بالکل ہی بھول گیا - آج صبح تم نے اخبار میں دوسرے صفحہ پر ایک اشتہار پڑھا تھا نا!

اعظم :- نوکری کا!

مجید :- نہیں یار چھوکری کا! کوئی سیٹھ دولت خان ہے اس کی تین لڑکیاں ہیں ایک کی عمر سولہ سال، دوسری کی پچیس سال، تیسری کی تیس سال - اشتہار میں اعلان تھا کہ جو نوجوان اس کی سولہ سالہ لڑکی سے شادی کرے گا اسے سولہ ہزار روپے کا جہیز، جو پچیس سالہ لڑکی سے شادی کرے گا اسے پچیس ہزار روپے کا اور جو تیس سالہ لڑکی سے شادی کرے گا اسے تیس ہزار روپے کا جہیز ملیگا، شرط یہ ہے کہ لڑکا گریجویٹ ضرور ہو ۔

اعظم :- تو پھر تم یہاں بیٹھ کر کیا جھک مار رہے ہو - فوراً جاتے کیوں نہیں؟

مجید :- یار وہیں سے تو آ کر بیٹھا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کسی حوا کے لئے میری پسلی بانجھ ہی چھوڑی ہے ۔

اعظم :- کیا تمہیں ری جکٹ کر دیا گیا؟

مجید :- نہیں، سیٹھ نے تو مجھے پہلے بہت پسند کیا، لیکن بعد میں مرنے مارنے پر تیار ہو گیا ۔

اعظم :- تم ہو ہی بیہودہ ، ضرور کوئی اوٹ پٹانگ بات کی ہوگی -!
مجید :- نہیں یار ، یہ بات نہیں ـ جب سیٹھ نے مجھے پسند کر لیا اور پوچھا
کہ کہو اب کیا کہتے ہو ؟ تو میں نے سیٹھ سے پوچھا -
سیٹھ صاحب ! تیس سال سے زاید عمر کی کوئی بیٹی نہیں آپ کی ؟
اس پر سیٹھ کو غصّہ تو بہت آیا - ایک دم سرخ ہو گیا ، لیکن غصّہ کو
پیتے ہوئے اس نے کہا :
" اچھا تو ہم آپ کو اپنی بڑی لڑکی کے لئے فرزندی میں لیتے ہیں "
اس پر میں نے ایک اور تجویز پیش کی کہ -
سیٹھ صاحب ! کیا یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کی تینوں لڑکیوں سے
بیک وقت شادی کر لوں !
بس بھیّا کچھ نہ پوچھو ، سیٹھ ایک دم شیر کی طرح گرجنے لگا ، اپنے
نوکروں کی پلٹن بلوائی - لیکن تم جانتے ہو ، تیز دوڑنے میں ساری
یونیورسٹی میں اول نمبر تھا ، ایسا بھاگا وہاں سے کہ یہیں آ کر دم لیا -
اعظم :- سیٹھ کے غصّہ میں آنے کی تو بظاہر کوئی وجہ نہیں نظر آتی ، کیونکہ
ہمارے معاشرے میں ایک سے زاید شادیوں کی عام اجازت ہے
اچھا فکر نہ کرو میں تمہارے لئے راستہ ہموار کرتا ہوں ، پرسوں میں
جس انٹرویو میں گیا تھا اس کے افسر اسی سیٹھ دولت خاں کے
نام مجھے ایک سفارشی رقعہ دیا ہے اگر سیٹھ نے مجھے پسند کر لیا تو
میں اس کے سامنے یہ شرط پیش کروں گا کہ مجھے کوئی اچھی سی نوکری

دیجئے۔ میں آپ کی لڑکیوں کے لئے مناسب بر ڈھونڈ لاؤں گا۔ اس میں تمہارا بھلا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر فرض کرو اگر لڑکیاں بدصورت نکلیں تو......؟

مجید:۔ کوئی حرج نہیں۔ میں کالی اور بدصورت لڑکیوں کے بارے میں بڑا فراخ دل ہوں۔ بلکہ میں تو اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اگر دنیا کے سارے مرد خوبصورت عورتوں سے شادیاں کریں تو یہ کالی پیلی لڑکیاں بیچاری کیا کریں اور پھر ان کے کالے یا بدصورت ہونے میں ان بیچاریوں کا کیا قصور؟ اور پھر بھیا! سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ میں خوبصورت عورت سے اسلئے شادی نہیں کرنا چاہتا کہ خوبصورت عورت کا شوہر اچھا خاصا تاج محل کا داروغہ بنا رہتا ہے جو ہر دم یہ نگرانی کرتا رہتا ہے کہ تماشائی کہیں دیوار پر پنسل سے لکیریں نہ کھینچ دیں۔ عمارت کا پلستر نہ اکھیڑ دیں۔ اور بغیر اجازت اندر نہ داخل ہوں۔

اعظم:۔ اچھا اچھا! بکواس بند کرو۔ میں کل ہی سیٹھ دولت خان کے پاس جاؤں گا تمہاری برات تو گیا تمہارا جلوس نکلوا دوں گا۔ اچھا اب یونہی بیٹھے رہو گے چلو گے نہیں نائٹ ڈیوٹی پر؟

مجید:۔ یار اعظم! عبدل نے جو نائٹ ڈیوٹی لگائی ہے وہ بڑی مشکل ہے۔ یار مجھے تو ایک ہی رات میں بخار ہو گیا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔

اعظم:۔ تو پھر تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں۔

(اعظم اٹھتا ہے)

مجید:۔ اور ہاں اعظم۔ ہماری نائٹ ڈیوٹی کا بعض لوگوں کو پتہ چل گیا ہے۔

اعظم :- اس سے کیا فرق پڑتا ہے! محنت میں کاہے کی شرم!

اعظم چلا جاتا ہے۔ مجید گنگنانے لگتا ہے۔ ع

پھر کوئی آیا دلِ زار۔ نہیں کوئی نہیں
راہ رو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
گُل کرو شمعیں بڑھاؤ مئے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

(آخری مصرع پر کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، (مجید کہتا ہے)

مجید :- کم ان

(مسعود علیخاں اندر داخل ہوتا ہے اور اپنا تعارف کراتا ہے)

مسعود :- مجھے مسعود علیخاں کہتے ہیں۔ میں مسٹر اعظم سے ملنا چاہتا ہوں۔

مجید :- جی وہ اس وقت تو باہر گئے ہوئے ہیں۔

مسعود :- آپ یہیں رہتے ہیں۔

مجید :- جی ہاں!

مسعود :- آپ مسٹر مجید تو نہیں۔

مجید :- جی ہاں۔

مسعود :- تو گویا آپ سے بھی بات کی جا سکتی ہے، کیا آپ کل رات آٹھ بجے، ایکاڈمی نائٹ کلب آسکتے ہیں، بات آپ ہی کے فائدے کی ہے، آپ کی ساری مصیبتیں اور پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں۔

مجید :- جی! اچھا، میں آجاؤں گا -
مسعود :- بہت بہت شکریہ! تو میں کل رات آٹھ بجے آپ کا منتظر رہوں گا!
مجید :- جی!
مسعود :- اچھا مجھے اجازت دیجئے (مصافحہ کرتا ہے اور دروازہ تک جاکر رک جاتا ہے اور مجید کو یاد دلاتا ہے)
دیکھئے بھولئے گا نہیں، پگاڈلی نائٹ کلب!
مجید :- او، کے -

(مسعود چلا جاتا ہے - پردہ گر جاتا ہے)

آٹھواں منظر

سڑک —— اعظم میلی کچیلی پتلون اور میلی کچیلی قمیص میں ملبوس ہے اس کے پاؤں میں چپل — گلے میں ایک بڑا رومال — اور ہونٹوں میں بیڑی جلتی ہوئی — اتنے میں رکشا کی گھنٹی کی آواز آتی ہے — اور ساتھ ہی عبدل رکشا چلاتا ہوا اسٹیج پر آتا ہے — وہ گا رہا ہے۔

تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے
پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے

(اعظم کے پاس آکر رکشا روک کر سیٹ پر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے)

اعظم :۔ سناؤ بھئی چوپاٹی کے شہزادے، کتنا کباڑا کمایا تم نے ——

عبدل :۔ ڈونٹ ٹاک منتظر آجم، آج سالا اپنا موڈ ایکدم خراب ہوگیا سالا۔

اعظم :۔ کیوں کیا ہوا تمہارے موڈ کو۔؟

عبدل :- آج اپنا ایک گوری میم صاحب سے فائٹنگ ہوگیا ۔
اعظم :- گوری میم صاحب سے فائٹنگ! کیوں ؟
عبدل :- دیکھو یار! ہم اس کو بولٹن مارکیٹ پر رکشا میں بٹھایا، ایمپریس مارکیٹ لایا، پھر ہوا بندر لے گیا، اکھا تین کلاک گھمایا، آخر میں ہم کو دو روپے دیتا ہے۔ ہم کو بڑا غصہ آیا، اوپر گرم گرم آسمان پھریلا ہے، نیچے جمین جلتا پڑا ہے، ہمارا نسک پھریلا ہے، ہم بولا، فایو روپیز نکالو میم صاحب، یہ ٹو روپیز کیا دیتا ہے تم — میم صاحب بولا، جاؤ ہم نیں دینگا — تم کونسا اس میں پٹرول ڈالتا ہے، بس ہم اس بات پر ایک دم فرنٹ ہوگیا اور بولا —

میم صاحب، ہم اس میں پٹرول نوہیں ڈالتا ہن کی خون ڈالتا ہے، خون بلڈ ڈالتا ہے، پٹرول دو روپے دس آنے میں گیلن ملتا ہے، ادھر خون کی کون قیمت دے سکتا ہے۔

میم صاحب بولا :- جاؤ بلڈی فول، بھاگ جاؤ، ہم دو روپے سے ایک پیسہ جیاستی نہیں دیں گا — تمہارا جو مرضی میں آئے کرلو —
ہم بولا :- میم صاحب تم لیڈی لوگ ہے، ایسا نئیں بولونی کہ جو مرجی میں آئے کرلو۔ ہم جو مرجی میں آئے کرینگا تو ہم کو دس سال کیلئے جیل میں بند کرا دینگا۔
اتنے میں بھائی لوگ اکٹھا ہوگئے — سب سالے گوری چمڑی سے ڈرتے ہیں —
ہم کو سالے بولنے لگے لےلیو یار دو روپے ٹھیک ہے، ہم میم صاحب کو بولا —

"میم صاب، یہ دو روپے بھی تم رکھ لیو! ہم تم کو بخشش دیتا ہے۔"
بخشش کا نام سن کر میم صاحب بہت گُسّہ ہوا، بہت گُسّہ ہوا، وہ جتنا گسّہ
ہوا آجم بابو، ہم کو بہت اچھا لگا، ایسا معلوم پڑا کہ ہم سینما اسکوپ دیکھ رہا ہے،
ہم ایک دم محبت میں ڈیپ چلا گیا، میم صاب نے گُسّہ سے دو روپے پھینکا
اور گٹ پٹ کرتا گھر کے اندر چلا گیا، ہم نے دو روپے اٹھا لیا، پیڈل پر
پاؤں رکھا سینہ پر ہاتھ مارا، اور.........
تو لاکھ چلی ری گوری تھم تھم کے

اعظم :- یار عبدل، تم جو عورت سے جھگڑا کرتا ہے، یہ بہت بری بات ہے،
ہر غیر عورت کی مرد کو عزت کرنی چاہئے۔

عبدل :- ارے یار، یہ عورت مرد کا جھگڑا تو ہمیشہ چلتا رہتا ہے، عورت نہیں
کرے گا، مرد نہیں کرے گا تو عورت جھگڑا کرے گا، تم خالی پیلی بوم مارتا ہے
ادھر، اچھا بھئی، اب سنبھالو مارکٹ۔ اپن بہت تھک گیا ہے سالا آج
ابھی ذرا میری یار جائے گا، جبر پور کی اسکاچ وہسکی کا ادھایی کر کوئی پنجابی
فلم دیکھنے جائے گا،
اچھا بھئی، چیریو۔

اعظم :- بریک ڈریک سب ٹھیک ہے نا۔

عبدل :- بتی، گھنٹی، بریک آل رائٹ، ڈبری ٹائٹ کیا ہوں آں۔ آج باڈی
میں جان نیں سالا، اکھا دن اپوزٹ کا ہوا مارتا رہا ہے سالا۔
(تھوڑی دور جاکر)

آجم بابو! دیکھو سالا تم ادھر ہیں کھڑا ہو، ادھر ہیں عورت لوگوں کا جو کالج ہے نا اس میں کوئی جلسہ ملسہ ہونا پڑا ہے، اچھے میں اچھا سواری مل جائینگا، اچھا اب ہیں جاتا ہوں۔

(ناچنے کے انداز میں چلتے ہوئے گاتا ہے)

ہیں لاکھ چلوں ری گوری تھم تھم کے

اور اسٹیج سے باہر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں نورافشاں دوسری طرف سے آتی ہے۔ اعظم جلدی سے منہ پھیر کر گلے میں پڑے ہوئے رومال سے چہرہ چھپا لیتا ہے۔

نورافشاں آواز دیتی ہے

نورافشاں :- رکشا! خالی ہے!!

اعظم :- (منہ دوسری طرف کئے ہوئے) بیٹھئے میم صاب!

نورافشاں :- کوئنس روڈ کا کیا لوگے؟

اعظم :- جو مرضی میں آئے دیدیجئے!

نورافشاں! نہیں ابھی بتا دو۔ بعد کی تکرار مجھے پسند نہیں، رکشہ والے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں۔ میں چھ آنے دوں گی۔

اعظم :- بیٹھ جائیے۔

(نورافشاں رکشہ میں بیٹھ جاتی ہے)

(اسٹیج پر رکشا کا ایک چکر، پھر رکشا پردے کے پیچھے سے گھوم کر پھر اسٹیج پر آتا ہے)

نورافشاں :۔ رکشا والے، بس یہیں روک لو، مجھے یہاں سے گلی میں جانا ہے،
وہاں رکشا نہیں جاسکتی ۔

(اعظم رکشا روک لیتا ہے نورافشاں اترتی ہے، جب پیسے دینے
لگتی ہے تو اعظم چہرے کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور پیسے اسکے
ہاتھ سے گر جاتے ہیں ۔ وہ جب اٹھانے کے لئے جھکتا ہے تو اس
کے منہ کا ڈھاٹا کھل جاتا ہے، نورافشاں اسے دیکھ لیتی ہے

اور چیختی ہے)

نورافشاں :۔ اعظم! ـــــ وہ اس کے قریب ہو جاتی ہے ۔

اعظم :۔ (گھبرا کر اسے الگ کرتے ہوئے) نور، یہ کیا بچپن ہے، یہ سڑک
ہے، رات کا وقت ہے، کوئی، کوئی دیکھ لیگا تو کیا کہے گا؟

نورافشاں :۔ اب میں لوگوں سے نہیں ڈرتی، مجھے تمہیں اس حال میں دیکھکر بہت
تکلیف پہنچی ہے ۔

اعظم :۔ اب گھر جاؤ نور، کل صبح باتیں کریں گے ۔

نورافشاں :۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ رات کے اندھیرے میں تم یہ
ذلیل پیشہ کرتے ہو ۔

اعظم :۔ ذلیل پیشہ! لیکن میں اسے بہت معزز پیشہ سمجھتا ہوں ۔ میں تمہارے
شرفا کی طرح غریبوں کے منہ سے نوالے چھین کر ان کے جسموں کے کپڑے
اتار کر، زندگی کو چور بازار میں لیجا کر، عورت کا بیوپار کرکے پیسہ نہیں
کماتا، محنت کرتا ہوں!

نورافشاں :۔ لیکن میں تمہیں یہ کام ہرگز کرنے نہیں دوں گی ۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں جب تک تمہیں کوئی اچھی نوکری نہیں ملتی میں تمہارے گھر کا سارا خرچ برداشت کروں گی !

اعظم :۔ اس تکلیف کی میں آپ کو اجازت نہیں دے سکتا میڈم ، میرے ہاتھ پاؤں بہت مضبوط ہیں ۔

نورافشاں :۔ یہ جھوٹی خودداری ہے ، حماقت ہے ، بیوقوفی ہے ، تمہیں شرم نہیں آتی ، ایسا ذلیل کام کرتے ہوئے ...... !

اعظم :۔ ذلیل کام ۔ ذلیل کام ۔ ! میڈم جب تک اس زمین پر چاندی کے سکے کا آٹھواں آسمان پھیلا ہوا ہے ، اس زمین پر اندھیرا ہی اندھیرا چھایا رہیگا ۔ اور اس اندھیرے میں ہم جیسے لاکھوں کروڑوں مظلوم انسان اسی طرح بے عزت ہوتے ، رینگتے ، سسکتے ، مرجائیں گے ، اور میں پوچھتا ہوں کون انسان ایسا ہے جو اس اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ذلیل کام نہیں کرتا میڈم ۔ !

اندھیرا پھیلتے ہی سارے انسان بے شرم ہو جاتے ہیں ذلیل سے ذلیل کام کرتے ہیں ، کیونکہ اندھیرے میں دنیا اندھی ہو جاتی ہے ، انسان صرف دنیا کی آنکھوں سے ڈرتا ہے ، اس لئے وہ شرافت اور شرم کے رنگ برنگے لبادے اوڑھ کر اپنی مظلومیت ، اپنی مجبوری ، اپنی بے بسی اپنے بھوکے پیٹ اور ننگے جسم کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا ہے ۔

نورافشاں :۔ یہ باتیں میں خود بھی جانتی ہوں ۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اس رکشا کے پہیوں

یں تمہاری صحت کچل کر نہ رہ جائے۔

اعظم :۔ اچھا اب تم جاؤ۔ یہ باتیں پھر کبھی ہو سکتی ہیں۔

نور افشاں :۔ میں اپنی بات منوائے بغیر نہ جاؤں گی۔

اعظم :۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے نور کہ اس معاشرے میں کوٹ کماتا اور اور ساڑھی بیٹھ کر کھاتی ہے۔

نور افشاں :۔ پاگل آدمی! کیسی فرسودہ باتیں کرتے ہو؟

اعظم :۔ یہ سڑک ہے، رات آدھی کے قریب بیت چکی ہے۔ آپ نے کرایہ دیدیا ہے میں اعظم نہیں صرف ایک رکشا والا ہوں۔ اب آپ گھر جا سکتی ہیں میڈم۔

نور افشاں :۔ تم بے وقوف اور ضدی ہو، جاہل، جھگڑالو

اعظم :۔ رکشا والے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں میڈم

یہ کہہ کر رکشا پر سوار ہو جاتا ہے اور رکشا چلاتا ہے، نور پکارتی ہے۔

"اعظم"، "

اعظم :۔ گڈ نائٹ میم صاحب!

(اعظم اسٹیج سے باہر ہو جاتا ہے، نور افشاں بھی مایوس ہو کر چلی جاتی ہے۔)

—— پردہ اٹھ جاتا ہے ——

نواں منظر

(پکیڈلی نائٹ کلب۔ ایک رقاصہ سیلز (بحریہ) کے لباس
میں رقص کر رہی ہے اور گا رہی ہے، اطراف میزوں میں مرد اور
عورتیں بیٹھے شرابیں پی رہے ہیں، ایک میز پر مسعود علیخاں بھی
بیٹھا ہے، جب گانا اور رقص ختم ہوتا ہے تو مجید داخل ہوتا ہے۔)

مسعود:- اوہ! آئیے مجید صاحب، بڑی دیر کر دی آپ نے!!

مجید:- مسعود صاحب آپ ٹھہرے کار والے اور ہم بے کار، بس نے بے بس
کر رکھا تھا، مجھے افسوس ہے کہ آپ کو کافی انتظار کرنا پڑا

مسعود:- کوئی بات نہیں، دیر آید درست آید، فرمائیے آپ کیا پئیں گے؟

مجید:- صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔

مسعود:- بس! جی نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں، وہاں بے رنگ

پانی تو حرام سمجھا جاتا ہے۔ تکلف چھوڑیئے۔ بتایئے کیا پئیں گے ؟
وہسکی، برانڈی، رم شمپین، پورٹ، شیری، بیر!

مجید :۔ آپ اپنے لئے منگوا لیجئے۔ میں تو پیتا نہیں

مسعود :۔ مجید صاحب! مثل مشہور ہے کہ جو پیتا نہیں وہ جیتا نہیں، اچھا خیر،
ہاٹ ڈرنک نہ سہی تو کولڈ ڈرنک سہی!

مجید :۔ تو پھر میرے لئے آئسکریم سوڈا منگوا دیجئے!

مسعود :۔ ایسی بھرپور جوانی، یہ دسمبر کی خنک اور رنگین رات اور صرف آئسکریم سوڈا
اجی آپ کو تو پینی پڑے گی، آپ وہسکی پی رہے ہیں، کیا سمجھے ؟

مجید :۔ جی ہاں سمجھ گیا، میں وہسکی پی رہا ہوں۔

مسعود :۔ گڈ شاٹ (ویٹر کو آواز دیتا ہے) ویٹر (ویٹر آتا ہے)

مسعود :۔ ویل ٹو پیگس بلیک اینڈ وہائٹ لارج!

(ویٹر آرڈر نوٹ کر کے چلا جاتا ہے)

ہاں تو مجید صاحب مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پیتے بھی ہیں۔

مجید :۔ لیکن میں اس کا عادی نہیں ہوں۔ پھر تھروٹ پینٹ تو کبھی کبھار ہی
ہو جاتا ہے۔

مسعود :۔ کچھ عرصہ پہلے میں بھی اس کا عادی نہیں تھا۔ لیکن بقول شیروانی سے

میرے حالات ہی کچھ ایسے ہیں
میرے دن رات ہی کچھ ایسے ہیں
مجھ کو لینا پڑا شراب سے کام
اتفاقات ہی کچھ ایسے ہیں

مجید :- آپ کو شاعری سے بھی بڑا شغف معلوم ہوتا ہے ۔

مسعود :- صرف وہی اشعار یاد ہیں جو شراب وکباب سے متعلق ہوں، میں نے وہ اشعار کسی دیوان میں نہیں پڑھے، البتہ شراب خانوں میں یاد کئے ہیں ۔

مجید :- میرا حافظہ اس معاملہ میں بڑا کمزور ہے، مجھے اشعار بالکل یاد نہیں رہتے، ساری زندگی میں صرف تین شعر یاد رہ گئے ہیں ۔

مسعود :- تب تو وہ تین اشعار ساری اردو شاعری کا نچوڑ ہوں گے مجھے مستفید نہیں فرمائیے گا ؟

مجید :- کیوں نہیں، سنئے ۔ کسی نے فرمایا ہے ۔

ترے دست حنائی کی جو میں نے بھیجی تھی پہنچی
اگر پہنچی ہے وہ پہنچی تو لکھ دو وہ کہ آ پہنچی
خبر پہنچی تو یہ پہنچی کہ وہ پہنچی نہیں پہنچی
مرے محبوب کی پہنچی خدا جانے کہاں پہنچی
یہیں رکھی تھی وہ پہنچی کہ اک کمبخت آ پہنچی
اٹھا پہنچی، وہ لے پہنچی، خدا جانے کہاں پہنچی

(دونوں ہنستے ہیں ۔ ویٹر ڈرنکس لاتا ہے، مسعود پیگ اٹھاتا ہے)

مسعود :- ہماری آج کی دوستی کی یاد میں ۔

(مجید بھی پیگ اٹھاتا ہے ۔ دونوں ایک ایک گھونٹ پیتے ہیں)

مسعود :- اب جسم میں کچھ جان پڑی ہے ۔ اچھا مجید صاحب ایک بتائیے آپ اور اعظم فرسٹ کلاس گریجویٹ ہیں ۔

مجید :- معاف کیجئے - اعظم فرسٹ کلاس گریجویٹ ، میں نے رائل کلاس میں بی اے
پاس کیا ہے -
مسعود :- (دوسرا گھونٹ چڑھاتے ہوئے) رائل کلاس کا کیا مطلب ؟
مجید :- (دوسرے گھونٹ میں گلاس خالی کرتے ہوئے) اجی وہی تھرڈ ڈویژن -
(مسعود مجید کا گلاس خالی دیکھ کر خود بھی اپنا گلاس خالی کرتا
ہے اور ویٹر کو بلا کر کہتا ہے)
مسعود :- دیکھو ویٹر ، تم ہمارے آرڈر کا انتظار نہ کیا کرو ، جیسے ہی ہمارے
گلاس خالی ہوں فوراً انہیں بھر جانا چاہیئے -
ویٹر :- آل رائٹ سر - !
مسعود :- ہاں تو مجید صاحب ! میں چونکہ ایک نوجوان سرمایہ دار ہوں ، اس لئے
مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ قوم کے اتنے بڑے ذہین نوجوان بے کاری کے
چکر میں پھنس کر کس طرح تباہ ہو جاتے ہیں -
مجید :- اجی صاحب ! یہ سب انگریز کی چھوڑی ہوئی لعنت ہے اس نے
ہندوستان پر اپنا تسلّط جمانے کے لئے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ساری
نوجوان نسل کو کلارک بنا دو ، وہ فائلوں کے انبار میں اس طرح پھنس کر
رہ جائے گی کہ کبھی نہ اُبھر سکے گی -
(بیرا دو پیگ لاکر میز پر رکھ دیتا ہے)
مسعود :- اٹھائیے گلاس ، اور غرق کیجئے پالیٹکس کو اس میں !
(دونوں ایک ساتھ گلاس اٹھاتے ہیں اور مجید آدھا گلاس چڑھا جاتا ہے -

مسعود:۔ (مجید کو اس طرح تیز پیتے دیکھکر) ماشاء اللہ، ماشاء اللہ پرانے بادہ کش معلوم ہوتے ہیں آپ!

(مجید کو ہلکا ہلکا سا نشہ ہو رہا ہے اس لئے وہ اچانک قہقہہ لگا کر کہتا ہے)

مجید:۔ بہت پرانا۔ حضرت آدم سے بھی پرانا، میں وہ تاریخی انسان ہوں، جس نے دنیا میں سب سے پہلے شراب پی۔

مسعود:۔ (گھبرا کر) آپ بہک تو نہیں رہے مجید صاحب!

مجید:۔ (جھوم کر) اوہ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں بہکتا نہیں صرف چہکتا ہوں۔ پی کر آدمی کو صرف چہکنا اور چہکنا چاہیئے۔ بہکنا ہرگز نہیں۔ آپ اگر میرا امتحان لینا چاہتے ہیں تو آپ وہ موضوع چھیڑ دیجئے، جس کے لئے آپ نے مجھے بلایا ہے۔ دیکھیئے پھر میں بہکا ہوا ہوں یا صوفی ہوں۔

(یہ کہہ کر مجید دوسرا گلاس بھی پی جاتا ہے)

اور ساتھ ہی ویٹر آتا ہے، مسعود اسے اشارہ کرتا ہے کہ اور لائے

مسعود:۔ مجید صاحب، یہ اعظم اور نور افشاں کا کیا معاملہ ہے؟

مجید:۔ کیوں آپ کو کیا تکلیف ہے؟

مسعود:۔ تکلیف! جی ہاں بہت تکلیف ہے۔ دیکھیئے نا مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے اعظم کی ایک ماں ہے، چھوٹی بہن ہے جس مکان میں وہ رہتا ہے وہ کرایہ کا ہے، ایک چھوٹے سے ٹیوشن کے علاوہ کوئی ذریعہ آمدنی نہیں اس پر طبیعت عاشق مزاج پائی ہے۔

(ویٹر مجید کے لئے تیسرا پیگ لاتا ہے)

مجید :۔ (تیسرے پیگ کا ایک گھونٹ پیتے ہوئے) میں کچھ کچھ آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں مسعود صاحب!

مسعود :۔ (ذرا اسٹیٹا کر) جی!

مجید :۔ مسٹر مسعود کھُل کر بات کیجئے نا۔ صاف صاف یہ کہہ دیجئے کہ میں بھی نورافشاں کی زلفوں کا اسیر ہوں۔ آجکل اظہار عشق کے لئے لمبی تمہید تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس ملک کے انسان کی زندگی بڑی مختصر ہے مسعود صاحب! کیوں میں نے ٹھیک کہا نا!

مسعود :۔ جی ہاں، جی ہاں، بات ہی کچھ ایسی ہے۔ لیکن میرے پاس اعظم کی طرح صرف خالی خولی محبّت بھرا دل نہیں ہے، بلکہ میری جیب بھی بھری ہوئی ہے اور جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے، خواہ وہ نورافشاں ہی کیوں نہ ہو، وہ صرف سوکھی محبّت ہی کی خواہاں نہیں، بلکہ وہ ایک عالیشان کوٹھی، ایک آہنی تجوری اور ایک بیکارڈ کار کی چابیوں کی زنجیر کو بھی اپنی انگلی پر گھمانا بہت پسند کرتی ہے۔

مجید :۔ (پیگ چڑھاتے ہوئے) لیکن میں آپ کی اس سلسلہ میں کیا خاطر تواضع کر سکتا ہوں!

مسعود :۔ آپ، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں مجید صاحب! وقت اعظم سے اس کی بوڑھی ماں اور چھوٹی بہن کے لیئے پیار کی قربانی مانگ رہا ہے اسے اس وقت خود غرض نہیں بننا چاہیئے، اور پھر آپ ہی کیلئے ماں اور بہن کا پیار پائیدار ہے یا محبوبہ کا پیار، محبوبہ کا پیار تو صرف

اس وقت تک ہے جب تک کہ رگوں میں لہو دوڑ رہا ہے۔ لیکن ماں کی ممتا اور بہن کے پیار کے پھول سدا مہکتے ہیں۔

مجید:۔ (پیگ ختم کرتے ہوئے ہنستے ہیں) اگر اعظم آپ کے اور نور افشاں کے راستے سے ہٹ جائے تو آپ کیا معاوضہ ادا کریں گے؟

مسعود:۔ آئی لائیک دس بزنس ڈیل۔ میرا آفر ہے، آپ کے اور اعظم کے لئے اپنی فرم میں تین تین سو روپے ماہوار کی ملازمت۔ جس مکان میں آپ رہتے ہیں وہ اعظم کی چھوٹی بہن کے نام خرید لیا جائے گا۔ آپ لوگوں کے چھوٹے موٹے قرض میں ادا کر دوں گا۔ اور آج آپ نے جو تکلیف اٹھائی ہے اس کے لئے......

(یہ کہہ کر وہ جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل مجید کی طرف بڑھاتا ہے)

مجید:۔ (آنکھیں پھیلا کر) اتنے بہت سے روپے کتنی مدت کے بعد میں اتنا روپیہ اکٹھا دیکھ رہا ہوں۔

(ہاتھ بڑھا کر روپے لیتا ہے اور اندر کی جیب میں رکھ لیتا ہے)

بہت بہت شکریہ مجید صاحب! مجھے آج روپوں کی شدید ضرورت تھی۔ آپ مطمئن رہیں۔ اب اعظم آپ کے اور نور افشاں کے درمیان کبھی نہیں آئے گا۔

مسعود:۔ (خوش ہو کر) اِز اِٹ اے جنٹلمین پرامیز؟ (ہاتھ بڑھاتا ہے)

مجید:۔ (ہاتھ ملاتے ہوئے) آف کورس اِٹ اِز۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے میں چلتا ہوں۔!

مسعود:۔ اور پیجئے نا ۔!

مجید:۔(اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے) جی نہیں! بس، میں آپ سے کل شام یہیں ملوں گا۔

مسعود:۔(اٹھ کر کھڑا ہوتا ہوا) اچھا، آپ کا بہت بہت شکریہ۔

مجید:۔ بائی بائی

(مجید چلا جاتا ہے، پردہ گرجاتا ہے)

دسواں منظر

سڑک ـــــ رات کا وقت ـــــ اعظم رکشا لئے کھڑا ہے ـــــ ادھر سے مجید نشہ میں دُھت جھومتا جھامتا آتا ہے ـــــ وہ گنگنا رہا ہے ؎

دل توڑنے والے دیکھ کے چل
ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

اعظم اسے پریشانی سے دیکھتا ہے اور آواز دیتا ہے ـــ

اعظم :- مجید !ـــ

مجید :- کون ؟ ـــ ما بدولت کو کس نے پکارا ، فریادی تم کون ہو ، کیا ہماری ملکہ عالیہ نے تمہاری دھوبن بیوی پر تیر چلایا ہے ـ!ـــ

اعظم :- (اس کے قریب جاکر غصے سے) تم کہاں سے آرہے ہو مجید ؟

مجید :- اس جگہ سے جہاں مصیبت زدہ انسان اپنے سارے غم بوتلوں میں
بھر بھر کر پیتے ہیں اور ہاتھ روم میں ان دکھوں اور غموں کو بہا دیتا ہے۔
اعظم :- مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر نہایت دکھ ہوا ۔ مجھے سخت تکلیف
ہوئی ہے۔
مجید :- تو پھر تم بھی پیو!
پیو اور جیو ، جیو اور پیو ، لگے دم ، مٹے غم ، چلو میں تمہیں پلاتا
ہوں پیارے دیکھو میرے پاس کتنے پیسے ہیں -
(یہ کہہ کر وہ اعظم کو نوٹوں کا بنڈل دکھاتا ہے)
اعظم :- (حیرت سے اور تیز لہجے میں) یہ روپیہ تمہارے پاس کہاں سے آیا-؟
مجید :- خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے -
اعظم :- مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے یہ روپیہ جائز طریقے پر حاصل
نہیں کیا! ضرور تم نے کوئی ایسی حرکت کی ہے جس سے تم پر مصیبت
آسکتی ہے!!
مجید :- مسمات مصیبت بی بی اب ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو جائیگی اعظم!
مصیبت بی بی عرف نور افشاں !!
اعظم :- کیا بک رہے ہو مجید!
مجید :- (نشے میں) اعظم تم نے مکان کا کرایہ تین مہینے سے ادا نہیں کیا ،
میری ماں دس نمبری عینک لگانا چاہتی ہے ، تمہاری ماں بیمار ہے ،
بانو کا نام اسکول سے کٹ گیا - نوکری سالے بہنوئی لوگوں کو مل رہی ہے ؛

میں نے سوچا، نور افشاں کو بیچ دو! ـــ

اعظم :- معلوم ہوتا ہے تمہیں سخت نشہ ہو گیا ہے، تم میری محبوبہ، اور ہونیوالی بھابی کے بارے میں ایسی باتیں کر رہے ہو! ـــ

مجید :- (قہقہہ لگا کر) محبوبہ! ـــ بھابی! ـــ دنیا کے بازار میں یہ ذلیل انسان خدا کو تک بیچ دیتا ہے میرے بھائی، نور افشاں تو دوسرے کی بیٹی ہے بس ـــ

(اعظم مجید کے گال پر ایک زوردار طمانچہ لگاتا ہے اور مجید لڑکھڑا کر گر جاتا ہے اور رونے کے لہجے میں کہتا ہے۔)

مجید :- تم مجھے مار رہے ہو، کمینے خود غرض انسان، وقت تم سے قربانی مانگ رہا ہے! اپنی ماں، اپنی چھوٹی بہن اور ایک خوش گوار زندگی کے لئے تمہیں اپنی محبت کی قربانی دینی پڑے گی۔ مسعود علیخاں نور افشاں کو خریدنے کے لئے تیار ہے تم اس کے راستے سے ہٹ جاؤ، وہ یہ مکان تمہیں خرید دے گا، تمہیں اور مجھے نوکریاں دے گا بـــ

اعظم :- (بات کاٹ کر) میں سمجھا یہ بات ہے (افسوس کے لہجے میں) اچھا اس وقت تو تم نہ صرف شراب کے بلکہ پیسے کے نشے میں بھی بدمست ہو، (تیز لہجے میں) لیکن کل صبح تمہارا نشہ ٹوٹ جائے گا تو تمہیں فوراً میرا گھر چھوڑ دینا پڑے گا۔

مجید :- (بس کیا۔ چانٹا کھاتے اور اس الٹی میٹم سے نشہ کافی حد تک کافور ہو چکا ہے سنبھل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے)

اب میرا نشہ ٹوٹ چکا ہے، مجھے صبح تک انتظار کی ضرورت نہیں میں ابھی
تمہارا گھر چھوڑ دوں گا، اسی وقت، اور جاتے جاتے اک بار پھر میں
تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ سب میں نے تنہا اپنے لیئے نہیں بلکہ تمہارے
لیئے، تمہارے اور میرے زیر پرورش مجبور افراد کے لیئے کیا تھا! اگر
یہ غلطی ہے یا یہ میری لغزش ہے تو ایک مجبور اور مفلس انسان سے ایسی
لغزش کی امید نہ کرنا بھی ایک غلطی ہے (جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکالکر)
میں تو اب مسعود سے شاید ہی مل سکوں، تمہاری مہربانی ہوگی۔ اگر تم کل
یہ روپے اسے لوٹا دو۔ خدا حافظ!—

(یہ کہہ کر مجید جانے لگتا ہے۔ اعظم کے ہاتھوں میں نوٹوں کا بنڈل ہے
وہ کچھ سوچتا ہے اور پھر مجید کو آواز دیتے ہوئے دوڑ کر اس کے قریب
جاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم:۔ میرے بیس برس پرانے ساتھی! تم بھی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ میں تم سے
معافی چاہتا ہوں کہ غصہ میں مجھ سے ایسی ذلیل بات منہ سے نکل گئی
کہ تم میرا گھر چھوڑ دو (گلوگیر لہجے میں)
میں جانتا ہوں مجید! اچھی طرح جانتا ہوں اس میں تمہارا کوئی
قصور نہیں۔ قصور سارا ہماری اس زندگی کا ہے جو غریبی کے
اندھیرے میں سیدھے راستے کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ یہ بھی
مجھے معلوم ہے کہ جب مفلسی گھر کے بڑے دروازے سے داخل ہوتی ہے
تو عقل، خودداری، جرأت، اخلاق، سب کے سب گھر کی کھڑکیوں سے

کود کر فرار ہو جاتے ہیں ۔ (اعظم مجید کو گلے سے لگا لیتا ہے)

اعظم :- مجید! میری بات کو بھول جاؤ، میں کبھی تمہاری باتوں کو بھول جاؤں گا یہ کمبخت روپیہ ہماری بیس سالہ دوستی کو ہرگز نہیں خرید سکتا اور نہ ہی اس روپے میں اتنی قوت ہے کہ وہ نور افشاں کو خرید سکے، تم گھبراؤ نہیں، ہم نوجوان ہیں، پڑھے لکھے ہیں، ہم کو برے برے حالات سے لڑنا چاہئے۔ ہم نوجوان ہیں، پڑھے لکھے ہیں، جد و جہد ہی زندگی ہے، ورنہ ایسی بھرپور جوانی اور ایسی تعلیم پر لعنت ہے ۔

مجید :- (معذرت کے لہجے میں) مجھے افسوس ہے اعظم، میں کل صبح ہی مسعود کے یہ روپے اسے واپس کر دوں گا ۔

اعظم :- ہاں اور کل صبح میں حاکم خاں کا رقعہ لیکر سیٹھ دولت خان کے پاس جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے کوئی نوکری مل جائے، اگر وہاں بھی نہ ملے تو کہیں نہ کہیں ضرور ملے گی ۔ آخر کب تک ہم سے چھپتی پھرے گی ۔ ا ۔ آؤ ۔ آج میں، تمہیں رکشا میں بٹھا کر گھر لے جاؤں!

(اعظم مسکراتا ہے اور مجید بھی، دونوں اسٹیج سے باہر نکل جاتے ہیں)

اور ـــــ پردہ اٹھ جاتا ہے ـــــ

گیارھواں منظر

(صبح دس گیارہ بجے کا وقت — سیٹھ دولت خاں کا ڈرائنگ روم جو جدید طرز کے فرنیچر سے سجا ہوا ہے — سیٹھ دولت خاں کے علاوہ ایک دبلے پتلے دھان پان ڈاڑھی والے مولانا ململ کا کرتہ تنگ مہریوں کا پاجامہ — پیروں میں سلیم شاہی جوتی پہنے اور سر پر دوپلی اوڑھے بیٹھے ہیں — جب پردہ اٹھتا ہے تو ان دونوں میں گفتگو جاری ہے — ڈاڑھی والے مولانا نام میر قدرت اللہ ہے)

سیٹھ دولت خاں :- ہاں تو میر صاحب میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری یہ خواہش ہے کہ اپنی لڑکیوں کا بیاہ تعلیمیافتہ لڑکوں سے کروں ۔ یہ زمانہ تعلیم کا ہے اور میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے — اب چونکہ اپنی حکومت

میں زیادہ آوٹ جاوک ہے اس لئے تعلیم یافتہ دامادوں کی شدید
ضرورت ہے۔

میر صاحب :۔ مگر سیٹھ دولت خاں صاحب! — مجھے آپ سے اختلاف رائے
ہے جناب! — دیکھئے کیوں؟ —

(سیٹھ دولت خاں خاموش رہتے ہیں تو میر صاحب ذرا
اور بلند آواز سے کہتے ہیں)

میر صاحب :۔ سیٹھ صاحب پوچھئے کیوں؟ —

سیٹھ دولت خاں :۔ (قدرے جز بز ہو کر) کیوں پوچھوں آخر؟

میر صاحب :۔ اس لئے کہ تعلیم یافتہ لڑکے کبھی اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے۔
میں نے آپ سے زیادہ زمانہ دیکھا ہے، آپ کیوں اپنے ہاتھوں اپنی
لڑکیوں کو کنوؤں میں دھکیلنے پر تُل گئے ہیں؟

سیٹھ صاحب :۔ میر صاحب! آپ ٹھہرے پرانے خیال کے آدمی — بھائی
میرے یہ نیا زمانہ ہے، نیا زمانہ — میری لڑکیاں پڑھی لکھی تو نہیں
البتہ نئے زمانے کے ساتھ چلتی ہیں — مجھے یقین ہے کہ میری کوئی لڑکی
بھی آپ کے صاحبزادے عزیزم صبغۃ اللہ طول عمرہٗ سے بیاہ کرنے پر
رضامند نہیں ہوگی۔

میر صاحب :۔ (اچانک گرم ہو کر) کیوں، صرف اس لئے کہ میرا لڑکا انگریزی پڑھا
ہوا نہیں ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ ڈاڑھی رکھتا ہے، شرعی پاجامے
پہنتا ہے، مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کرتا ہے، اور آنکھوں میں سرمہ

لگاتا ہے (لہجہ بدل کر) لیکن یہ بھی تو دیکھئے سیٹھ صاحب، اس کی آمدنی کیا ہے۔

(سیٹھ صاحب خاموش رہتے ہیں۔)

میر صاحب:۔ (اور زیادہ گرم ہو کر) پوچھئے نا سیٹھ صاحب کہ اس کی آمدنی کیا ہے؟

سیٹھ صاحب:۔ (جز بز ہو کر) عجیب مصیبت ہے! اچھا چلئے بتایئے کیا ہے؟

میر صاحب:۔ (فخریہ لہجہ میں) لنڈا بازار میں ریڈی میڈ کپڑوں اور پرانے امریکن کوٹوں کی دوکان ہے اس کی — ہر روز پچاس ساٹھ روپے کما ہی لیتا ہے۔ کیا سمجھے؟ — پچاس ساٹھ روپے روز — دل لگی نہیں کچھ!! —

سیٹھ صاحب:۔ (سمجھانے کے انداز میں) سیٹھ صاحب، آپ میرے بڑے پرانے دوست ہیں، آپ کا بچہ میرا بچہ ہے، وہ ....

میر صاحب:۔ (اچانک غصہ سے کھڑے ہو کر بات کاٹتے ہوئے)

ہائیں ہائیں — سیٹھ صاحب — زبان سنبھالئے زبان! — یہ آپ نے کیا کہہ دیا، میرا بچہ آپ کا بچہ ہے — میرا بچہ آپ کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بھی خوب رہی، آپ تو میرے بچہ کی ولدیت کے خانے میں بھی گھس آئے ہیں —

سیٹھ صاحب:۔ (بوکھلا کر) ارے میر صاحب! کیا ہو گیا آپ کو؟ — میں نے

صرف ایک محاورہ استعمال کیا تھا ۔ خدانخواستہ آپ کا بچہ میرا بچہ
کس طرح ہو سکتا ہے! میں تو ......

میر صاحب: (اور زیادہ گرم ہو کر دوبارہ بات کاٹتے ہوئے)
ہیں! پھر وہی بات، تو کیا آپ میرے بچے کو کسی غیر کا بچہ سمجھ رہے
ہیں، توبہ، توبہ استغفراللہ ۔ اس قدر تو ہیں! ۔

سیٹھ صاحب: ۔ آپ میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں میر صاحب! ۔

میر صاحب: ۔ اجی میں خوب سمجھ رہا ہوں ۔ سب کچھ سمجھ رہا ہوں ۔
اُلّو کا پٹھا نہیں ہوں! ۔

سیٹھ صاحب: ۔ (غصّہ سے) جی! کیا فرمایا؟ ۔

میر صاحب: اجی میں نے عرض کیا، میں اُلّو کا پٹھا نہیں ہوں! ۔

سیٹھ صاحب: ۔ آپ خواہ مخواہ گرم ہو رہے ہیں میر صاحب! اگر یہ بات ہے
تو پھر تیار ہو جائیے، میں بھی گرم ہوتا ہوں، میں آپ کا کوئی دبیل
تو نہیں ہوں ۔ میں خاموش بیٹھا ہوں اور آپ سر چڑھتے
جا رہے ہیں ۔

میر صاحب: ۔ (سیٹھ دولت خاں کے اس طرح گرم ہونے سے اچانک
پریشان سے ہو جاتے ہیں اور جیب سے رومال نکال کر چہرے اور
گلے کا پسینہ پونچھتے ہوئے اچانک مسکراتے ہیں اور مصالحت کے
انداز میں کہتے ہیں)

سیٹھ صاحب در اصل نہ میں گرم ہو رہا ہوں اور نہ آپ، آج اصل میں

کچھ گرمی ہی زیادہ ہے۔
(یہ کہہ کر میر صاحب پھر صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں، پان کی
ڈبیا نکال کر خوشامدی انداز میں سیٹھ صاحب کی طرف بڑھاتے ہیں
اور کہتے ہیں)
میر صاحب:۔ لیجئے شوق فرمائیے:—
سیٹھ:۔ شکریہ! میں پان نہیں کھاتا۔
میر صاحب:۔ پان نہیں کھاتے! — حیرت ہے!! شاعر تو کہتا ہے
پان کھانے سے اے مرے مولا
دانت بنتے ہیں ناصر الدولہ
اچھا خیر چلیئے، آپ کی طرف سے بھی ایک پان اور کھالوں۔
(یہ کہہ کر ایک کے بجائے دو پان کھاتے ہیں اور انگلیوں پر
پان کا جو کتھا لگا ہوا ہے اسے قیمتی صوفہ سیٹ کے غلاف سے
پونچھتے ہیں اور سیٹھ صاحب ان کی اس حرکت پر غصّہ سے کھنکارتے
ہیں اور میر صاحب سہم جاتے ہیں، پھر مسکراتے ہیں اور بات
کا آغاز کرتے ہیں)
میر صاحب:۔ ہاں تو، میں عرض کر رہا تھا کہ میرے لڑکے صبغتہ اللہ کی لنڈا
بازار میں کپڑوں کی ایک بہت بڑی دوکان ہے۔
سیٹھ صاحب:۔ میر صاحب! میں نے ایک بار آپ سے کہہ دیا ہے اب کس طرح
بار بار کہوں کہ میری بیٹیاں لنڈے بازار کے دوکانداروں کی بیویاں

بیویاں ہرگز نہیں بن سکتیں ۔

میر صاحب :- اجی قبلہ! میں یہاں لنڈے بازار کے دوکانداروں کے پیغام لے کر نہیں بلکہ صرف اپنے صبغتہ اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں ۔

سیٹھ صاحب :- آپ کا بیٹا بھی لنڈے بازار کا دوکاندار ہے ، سمجھ گئے آپ ، اب اس موضوع پر آپ مجھ سے بات نہ کریں ۔

(میر صاحب یہ سنکر پریشان سے ہو جاتے ہیں کچھ بوکھلائے ہوئے سے حرکات کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

میر صاحب :- کیا آپ اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کر سکتے، سیٹھ صاحب!

سیٹھ : ہرگز نہیں!

میر صاحب : اپنے سولہ سالہ پرانے اور مخلص دوست کی درخواست پر بھی نہیں !

سیٹھ :- ہر باپ اپنی بیٹی کے مستقبل کے معاملہ میں بڑا خود غرض ہوتا ہے میر صاحب !

میر صاحب :- تو اس کا مطلب یہ ہے مجھے مایوس ہو جانا چاہیئے سیٹھ صاحب!

سیٹھ : جی ہاں ، جی ہاں بالکل!

میر صاحب :- (استفسار کے لہجے میں) لیکن سیٹھ دولت خاں صاحب ، بھلا مجھے کیوں مایوس ہونا چاہیئے ۔ ؟

میر صاحب :- مایوس تو میرے لڑکے صبغتہ اللہ کو ہونا چاہیئے ، شادی میری تھوڑی ہونے والی تھی !

سیٹھ : میر صاحب ! آج پتہ نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے ، عجیب الٹی سیدھی اوٹ

پٹانگ باتیں کر رہے ہیں آپ؟

میر صاحب :- الٹی سیدھی اوٹ پٹانگ باتیں! اس لئے کہ میں آپ کے پاس ایک غرض لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اگر بغیر کسی غرض کے آتا تو آپ اپنی باتوں پر سبحان اللہ اور جزاک اللہ کے ڈونگرے برساتے، اچھا خیر! اب مجھے اجازت دیجئے میں جاتا ہوں۔

سیٹھ :- بصد شوق تشریف لیجائیے۔

میر صاحب (اٹھ کھڑے ہوتے ہیں) یاد رکھئے سیٹھ صاحب۔ آپ کی اور میری سولہ سالہ دوستی ختم ہو رہی ہے۔

سیٹھ :- میں اپنی اولاد کی بھلائی کی خاطر قیمتی سے قیمتی دوست کی دوستی کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میر صاحب :- میں ایک بار بلکہ آخری بار پھر بحیثیت ایک مخلص دوست کے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

سیٹھ :- کیوں آخر؟ کیا مجھے باؤلے کتے نے کاٹا ہے!

میر صاحب :- باؤلا کتا؟ اچھا! سیٹھ صاحب آج آپ سے مل کر مجھے بہت بہت کوفت ہوئی۔ اچھا میں ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں۔!

سیٹھ :- بسم اللہ! بسم اللہ!!

(میر صاحب تھوڑی دور جا کر رکتے ہیں اور بسم اللہ کے الفاظ سنکر ٹھٹک کر رک جاتے ہیں۔ اور بڑی مخصوص آواز میں کہتے ہیں

آئیں ، اور پھر لوٹ کر صوفے کے قریب جاتے ہیں مسکرا کر سیٹھ صاحب کو دیکھتے ہیں اور سر پر سے دوپلی اتار کر صوفے پر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔ سیٹھ دولت خاں بڑی حیرانی کے ساتھ انہیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے ۔ میر صاحب صوفے پر بیٹھنے کے بعد یوں پھر سکوت توڑتے ہیں)

میر صاحب :۔ سیٹھ صاحب! آپ نے بسم اللہ کہا۔ یعنی اللہ کا نام لیا تو اب ساری بات ازسرِ نو اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے ۔ یہ ساری گڑبڑ اسی لئے ہوئی کہ میں بات چیت کا آغاز اللہ کے نام سے نہیں کر سکا تھا۔ خیر اب سہی ~~۹۲~~ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میرے لڑکے صبغتہ اللہ کی لنڈے بازار میں تیار شدہ کپڑوں اور پرانے امریکن کوٹوں کی ایک دوکان ہے ۔

سیٹھ :۔ (انتہائی غصّہ کے عالم میں) میر صاحب! میں نے آپ کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ جہاں تک میری دختر کی لنڈے بازار کے کسی کباڑیئے سے شادی کا تعلق ہے تو آپ یہ یقین کر لیجئے کہ دنیا میں لاہور شہر کا کوئی وجود نہیں ہے اور اگر لاہور شہر ہے تو پھر اس میں لنڈا بازار نہیں ہے ، اگر لنڈا بازار بھی ہے تو میری کوئی دختر ہرگز نہیں ہے ۔

میر صاحب :۔ یہ کہہ کر تو آپ دنیا کو شک و شبہ میں ڈال دیں گے ، ایسی نازیبا بات کہنے سے پہلے بھابی صاحبہ کا تو خیال کیجئے ۔

سیٹھ:۔ (غصّہ سے بے قابو ہو کر) میر صاحب آپ اس طرح یہاں سے نہیں جائیں گے۔ مجھے اپنے نوکروں کی خدمات حاصل کرنا ہی ہوگا۔

میر صاحب: (غصّہ سے اُٹھ کر) یہ نوبت! استغفراللہ، یہ توہین جزاک اللہ، اُف لاحول ولا، اجی لیجئے میں خود چلا جاتا ہوں۔

(یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سیٹھ:۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ خود چلے جائیں۔

میر صاحب: (پھر بیٹھ جاتے ہیں) لیکن سیٹھ صاحب، آپ عمر بھر پچھتائیں گے، لنڈے بازار میں دوکان کوئی معمولی بات نہیں ہوتی!

سیٹھ: (بیزار ہو کر) اُف کیا مصیبت ہے یہ!

اتنے میں ایک نوکر داخل ہوتا ہے، اور ایک وزیٹنگ کارڈ سیٹھ دولت خاں کو دیتا ہے، میر صاحب نوکر کو دیکھ کر پہلے پہل تو بڑے سٹپٹا سے جاتے ہیں، لیکن جب وزیٹنگ کارڈ سیٹھ دولت خاں کو دیتا ہے تو وہ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔)

سیٹھ صاحب:۔ (بہ آواز بلند وزیٹنگ کارڈ کا نام پڑھتے ہیں) محمد اعظم بی، اے علیگ فرستادہ حاکم علیخاں صاحب، پروپرائٹر گوٹ اینڈ شدیپ، ہائیڈ اینڈ اسکن فرم۔ اچھا سمجھ گیا۔

(پھر وہ میر صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں)

"دیکھئے میر صاحب، ایک اجنبی آرہا ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ

تشریف لے جائیں، یا پھر میری درخواست ہے کہ جب تک وہ یہاں بیٹھا رہے آپ بالکل خاموش رہیں۔

میر صاحب :۔ (چڑ کر) اجی واہ! کیا میں آدابِ مجلس نہیں جانتا، کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے؟

سیٹھ صاحب :۔ اچھا بابا۔ مجھے معاف کرو (نوکر سے مخاطب ہو کر) ملاقاتی کو اندر بھیج دو۔

(نوکر جاتا ہے۔ اور دوسرے لمحے اعظم اندر داخل ہوتا ہے۔ سیٹھ صاحب اس کی شخصیت سے فوراً متاثر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میر صاحب بھی مختلف زاویئے بنا بنا کر اعظم کو دیکھتے ہیں۔ سیٹھ صاحب کھنکارتے ہیں تو میر صاحب سہم کر سیدھے ہو جاتے ہیں۔ سیٹھ صاحب فوراً مسکراتے ہوئے اعظم سے مخاطب ہوتے ہیں۔)

آیئے، آیئے تشریف لایئے، یہاں تشریف رکھئے۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :۔ مجھے جناب حاکم علیخاں صاحب پروپرائٹر گوٹ اینڈ شیپ ہائیڈز اینڈ اسکن فرم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور ان کا یہ رقعہ آپ کے آپ کے نام ہے۔

(رقعہ سیٹھ کی طرف بڑھاتا ہے)

سیٹھ دولت خاں عینک لگا کر رقعہ پڑھتے ہیں، رقعہ پڑھتے

ہوئے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور رقعہ ختم کر کے وہ بڑی
میٹھی میٹھی نظروں سے اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھتے
ہیں۔

سیٹھ صاحب:۔ تو آپ نے علیگڑھ یونیورسٹی سے بی،اے اول درجے
میں کامیاب کیا ہے۔؟

اعظم:۔ جی ہاں! اگر آپ کہیں تو میں اپنی بی،اے کی ڈگری آپ کو
دکھا دوں، میں ڈگری ساتھ لایا ہوں۔

سیٹھ صاحب: نہیں نہیں، اس کی کیا ضرورت ہے، لیکن اگر آپ دکھا
ہی دیں تو بہتر ہے۔

میر صاحب:۔ (چونک کر) اماں نوجوان کیا کہا۔یہاں ڈگری لائے ہو تم!
(اعظم حیرت سے انہیں دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے)

سیٹھ صاحب:۔ میر صاحب یہ عدالت کی ڈگری نہیں،بی۔اے کی
ڈگری ہے۔

(اعظم سے مخاطب ہو کر)
یہ میرے بڑے پرانے دوست ہیں۔میر قدرت اللہ صاحب
بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔

اعظم: (میر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھا کر) آپ کے ایک ہی جملے
میں پوری طرح آپ کی شخصیت سے متعارف ہو چکا ہوں۔بہرحال
آپ سے مل کر واقعی لطف آیا۔

میر صاحب :۔ جیتے رہو برخوردار!

(اعظم اپنی ڈگری اور دوسرے اسنادات سیٹھ صاحب کی طرف بڑھاتا ہے۔ سیٹھ صاحب ڈگری اور اسنادات کو غور سے دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

سیٹھ صاحب :۔ خیر سے آپ کنوارے تو ہیں نا؟

اعظم : صاحب! اس زمانے میں پہلے بی۔ اے پاس ہونا پڑتا ہے اس کے بعد کہیں بی بی پاس کی ڈگری ملتی ہے۔

سیٹھ صاحب : (مسکراتے ہوئے) ماشاء اللہ ماشاء اللہ، بڑے خوش مزاج اور فقرہ باز نوجوان ہیں آپ، یقین ہے کہ خوبصورت اور تندرست ہونے کے علاوہ خوب سیرت بھی ہوں گے۔

اعظم :۔ لیکن قبلہ! یہ ساری خصوصیات تو ساتھ ہیں لیکن ایک کسر رہ گئی ہے کہ اگر اس بی۔ اے کی ڈگری اس صحت مند جسم اور مضبوط کردار کے بجائے لنڈے بازار ہی میں اگر کوئی پرانے کپڑوں کی دوکان....

.... (وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ میر صاحب، میز پر زور سے ہاتھ مار کر اچھل پڑتے ہیں اور چیختے ہیں)

میر صاحب :۔ لنڈے بازار میں کپڑے کی دوکان واہ، واہ، واہ، وا یہ کہی نا سو بات کی ایک بات سن لیجئے سیٹھ صاحب آپ کا تعلیمیافتہ داماد بھی لنڈے بازار کا دوکاندار بننا چاہتا ہے۔

اعظم :۔ (حیرت سے) داماد!

سیٹھ :- (غصہ سے کھڑے ہو کر) او میر کے بچے، نکل جا یہاں سے اسی وقت
اعظم :- ہیں ہیں، یہ سب کیا ہو رہا ہے بزرگو، آپ آپس میں لڑ رہے ہیں
سیٹھ :- نوجوان، آپ معاف کریں - یہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے - آپ
بیٹھ جائیں - میں اسے نکلوا کر آپ سے باتیں کروں گا -
میر صاحب :- اماں تم مجھے کیا نکلواؤ گے، میں اس نوجوان کو یہاں سے
نکال کر لے جاؤں گا - تاکہ تم اپنی لڑکی کا بیاہ اس سے کر کے اس کو
جیتے جی اندھے کنوئیں میں نہ دھکیل سکو (اعظم سے مخاطب ہو کر)
نوجوان! میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، تم اتنے خوبصورت اور
تعلیمیافتہ ہو کر کیا کسی کالی بھجنگ، اور بدصورت لڑکی سے صرف
اس لئے شادی کرنا پسند کرو گے کہ اس کا باپ ایک مالدار ہے -
سیٹھ صاحب :- زبان سنبھال، او میر کے بچے!
میر صاحب :- چپ کار، سیٹھ کے بچے!
(اعظم سے مخاطب ہو کر)
نوجوان اگر تم شادی کے لئے ایسے ہی بیقرار ہو تو آؤ میرے ہمراہ
آؤ، میری بھی ایک لڑکی ہے، صبغۃ اللہ کی ہمشیرہ، خوبصورت
سلیقہ شعار، ہر قسم کے پکوان کی ماہر، حافظ قرآن -
(یہ کہہ کر وہ اعظم کا ہاتھ زبردستی اپنے بغل میں لے لیتے ہیں اور اسے
گھسیٹنے لگتے ہیں، سیٹھ غصہ سے اپنے نوکروں کو آوازیں دینے لگتا ہے)
سیٹھ : رمجو، فضلو، نتھن، ابن - ارے کوئی ہے -

(اتنے میں نوکروں کی ایک فوج اندر داخل ہوتی ہے۔ میر صاحب گھبرا کر اعظم کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ میر صاحب زخمی شیر کی طرح چیختے ہیں)

سیٹھ صاحب:- اس خبیث بڈھے کو اٹھا کر باہر پھینکدو۔

(نوکر میر صاحب کی طرف بڑھتے ہیں۔ اعظم موقع پا کر گھبراہٹ میں اپنی بی، اے کی ڈگری تصویر اور اسنادات چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، سیٹھ دولت خاں اسے آوازیں دیتے اس کے پیچھے لپکتے ہیں اور ادھر میر صاحب نوکروں کے سامنے کبڈی کے کھلاڑی کی طرح بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔)

(اور پردہ گر جاتا ہے)

بارھواں منظر

(وہی کمرہ جو گیارھویں منظر میں دکھایا گیا ہے۔ سیٹھ دولت خاں
بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہیں)

سیٹھ صاحب:۔ کمبخت میر کے بچے نے سارا معاملہ بگاڑ دیا۔ اب اس نوجوان
کو کہاں ڈھونڈوں۔

(غصہ کے عالم میں ٹہلنے لگتے ہیں، اچانک ان کی نظر میز پر رکھے ہوئے کاغذوں
کے پلندے پر پڑتی ہے، وہ رکتے ہیں اور حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے
اس پلندے کی طرف بڑھتے ہیں، اس نوجوان کی بی، اے کی ڈگری، تصویر
اور اسنادات دیکھکر بہت خوش ہوتے ہیں۔)

سیٹھ صاحب:۔ چلو اچھا ہوا کہ وہ سب کاغذات وغیرہ یہاں چھوڑ گیا۔ اس سلسلے
میں بیگم سے مشورہ کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بیگم — او بیگم سنتی ہو — اماں بیگم سن رہی ہو نا —
(ایک بہت بھاری بھرکم معمر سفید رنگ خاتون داخل ہوتی ہیں اور کہتی ہیں)

بیگم :- کیا گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے ؟ — کیا مصیبت پڑ گئی آخر ؟ —

سیٹھ صاحب :- مصیبت — ! مصیبت پڑے تمہارے دشمنوں پر بیگم ہیں تو تمہیں ایک خوشخبری سنانے والا ہوں، سنو گی تو باغ بغیچہ ہو جاؤ گی !

بیگم :- اچھا جی — تو پھر بتاؤ جلدی سے مجھے باغ بغیچہ ! —

سیٹھ صاحب :- اس طرح نہیں پہلے مٹھائی کھلاؤ —

بیگم :- ہے ہے ، وقت نہ سفت ، بڑھا چڑھا تخت ، تم نے مجھے بھی کوئی حلوہ ہر جینٹ سمجھ رکھا ہے کہ ہر وقت مٹھائی تیار رکھوں ۔ پہلے خوشخبری سناؤ ۔ اگر واقعی وہ خوشخبری ہوئی تو مٹھائی بھی آجائیگی ۔

سیٹھ صاحب :- وعدہ کرتی ہو —

بیگم :- اے یہ بوڑھے چونچلے ختم کرو — اور بتاؤ کیا بات ہے ؟ —

سیٹھ صاحب :- میرے دوست ہیں نا حاکم علی خاں ، آج انہوں نے ایک بہت خوبصورت صحتمند اور خوش مزاج نوجوان میرے پاس بھیجا تھا ۔
(بیگم چونک پڑتی ہے اور بڑی دلچسپی سے باتیں سننے لگتی ہے ۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی ہیں)

سیٹھ صاحب : مگر —
(ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں)

(بیگم پریشان ہوکر پوچھتی ہیں)

بیگم :- مگر کیا؟ —— یہ مگر کیوں؟ ——

سیٹھ صاحب :- (غصہ سے دانت چباتے ہوئے)

مگر وہ کمبخت میر قدرت اللہ کا بچہ —— اس پر ایسا بچھا ایسا بچھا کہ
بس سارا کھیل بگاڑ ڈالا، اس سے گھبرا کر وہ نوجوان بھاگ گیا ——

بیگم :- (اچانک منہ لبسور کر رونے کی نقل کرتے ہوئے)

ہائے ہائے، پتہ نہیں میری بچیوں کے سہرے کے پھول کب کھلیں گے
آخر پروردگار! ——

سیٹھ صاحب :- (فاتحانہ انداز میں مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے)

یہ رونا دھونا کیا فضول حرکت ہے بیگم —— گھبراؤ نہیں، ابھی وہ لڑکا
ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل سکا ہے میر کی اور میری تو تو، میں میں ہیں
اپنی بی، اے کی ڈگری، اسنادات اور تصویر وغیرہ سب بھول گیا ہے۔
انہیں لینے تو ضرور آئے گا وہ! ——

بیگم :- (چہرے پر اطمینان کے آثار —— تنبیہہ کے انداز میں کہتی ہے)

مگر یاد رکھنا —— اب کی بار وہ لڑکا ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

سیٹھ صاحب :- اجی ایسا ہوسکتا ہے کبھی —— میرا نام دولت خاں ہے دولت خاں
دولت خاں کے معنی سلیس اردو میں طاقت خاں کے ہوتے ہیں، سمجھیں!

بیگم :- میرے سامنے ڈینگیں نہ مارا کرو اس طرح! ——

سیٹھ صاحب :- اپنے ہونے والے داماد کی تصویر دیکھیں گی بیگم! ——

بیگم :۔ کیوں نہیں ـــــ کیوں نہیں ؟ ـــــ

(سیٹھ صاحب اعظم کے کاغذات کے پلندے سے ایک تصویر نکال کر چھپا لیتے ہیں اور چہل کے انداز میں بیگم سے کہتے ہیں)

سیٹھ صاحب :نہیں اسطرح نہیں، پہلے آنکھیں بند کرو ! ـــــ

بیگم :۔ نوج یہ کیا چہل سوجھی ہے تمہیں ؟ ـــــ

(سیٹھ صاحب نہیں مانتے ـــــ خود بیگم کے پیچھے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، بیگم جھینپ کر ان کا ہاتھ ہٹا دیتی ہے اور تھوڑی دیر تصویر کو بغور دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھرتی ہے، جس سے سیٹھ صاحب چونک کر غور سے بیگم کو دیکھتے ہیں اور غصیلے لہجہ میں پوچھتے ہیں ـــــ)

سیٹھ صاحب : بیگم ـــــ یہ لمبی ٹھنڈی سانس تم نے کیوں لی؟

بیگم : (وہ بھی قدرے تلخ لہجہ میں)

اس سوال کا کیا مطلب ؟ ـــــ

سیٹھ صاحب :۔(اسی غصیلے لہجے میں)

میں پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ لمبی اور ٹھنڈی سانس کیوں لی ؟ ـــــ

بیگم :۔ کیوں، کیا سانس لینا بھی گناہ ہے ؟ ـــــ

سیٹھ صاحب :۔ سانس لینا گناہ نہیں ـــــ لیکن یہ لمبی اور ٹھنڈی سانس ضرور کوئی معنی رکھتی ہے ـــــ

بیگم :۔ شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا ـــــ

سیٹھ صاحب: (اسی غصیلے لہجے میں)
باتیں نہ بناؤ بیگم — میں اس لمبی اور ٹھنڈی سانس کا مطلب
جان کر رہوں گا۔

بیگم:۔ لڑنا چاہتے ہو؟ —
سیٹھ صاحب:۔ لڑائی اس ٹھنڈی اور لمبی سانس کا مطلب جاننے کے بعد
شروع ہو گی۔

بیگم:۔ تو پھر سنو — اس لمبی ٹھنڈی سانس کا مطلب یہ ہے کہ کاش اپنی
جوانی میں تم بھی ایسے ہی خوبصورت اور گٹھیل نوجوان ہوتے!

سیٹھ صاحب: (گرج کر)
کیا بک رہی ہو تم — اب میں آگے کچھ نہیں سن سکتا۔ خدا کی قسم میں
تمہیں گولی مار دوں گا۔

بیگم:۔ کاش تم مجھے اسی روز گولی مار دیتے جس دن تم سے میرا بیاہ ہوا تھا۔
بجائے اس کے کہ تمہاری شکل و صورت کی یہ کالی کالی لڑکیاں جوان
ہو کر یوں درنی سلوں کی طرح میرے سینے پر نہ رکھی جاتیں۔
(چیخ چیخ کر روتے ہوئے)
تم مجھے گولی مار دیتے تو اچھا تھا۔
(سیٹھ دولت خاں بیگم کے اس طرح چیخ چیخ کر اس طرح
رونے سے ایکدم پریشان ہو جاتا ہے اور سر کے بال نوچکر
کہتا تھا)

افوہ! بھئی حد ہو گئی!

(اور پھر بیگم کے قریب جا کر نرم لہجے میں کہتا ہے)

سیٹھ:- بیگم! یہ کیا بچپن ہے لڑکیاں گھر ہی میں ہیں۔ وہ کیا سوچیں گی، خدا کے لئے یہ رونا چلانا بند کرو۔

بیگم:- (اور زیادہ پھیل کر)

نہیں جی، نہیں، آج تو تم مجھے گولی ہی مار دو (پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی ہے)

سیٹھ:- (زچ ہو کر اور مکمل طور پر ہار مانتے ہوئے)

اچھا بابا، اچھا ـــ میرا قصور معاف کرو ـــ بس اپنی گولی ـــ ہونہہ، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ـــ خدا کیلئے مجھے معاف کر دو۔

(یہ کہہ کر بیگم کے دوپٹے سے بیگم کی بغیر آنسو والی آنکھ پونچھتا ہے اور میز کے پاس سے اُگالدان اُٹھا کر اس کے منہ کے قریب لاتا ہے، اور کہتا ہے)

سیٹھ:- لو اب غصہ تھوک دو۔

بیگم:- (من جانے کے انداز میں اُگالدان میں آخ تھو" تھوکتے ہوئے کہتی ہے)

بیگم:- (نخرے سے)

تم ہی تو مجھے چھیڑتے ہو!

سیٹھ :۔ اجی بس رہنے بھی دو۔ اب کیا خاک چھیڑوں گا۔ کہو لڑکا پسند آیا؟
بیگم :۔ بہت پسند آیا۔ اگر وہ میری ماہ پارا بیگم کو پسند کرلے تو داتا
کے مزار پر نیاز چڑھاؤں گی۔ پانچسو فقیروں کو کھانا کھلاؤں گی۔

(اسی اثنار میں نوکر اندر داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے)

نوکر :۔ سیٹھ جی، آپ کا ٹیلیفون!
سیٹھ :۔ اچھا، کہیں اس لڑکے کا نہ ہو!
بیگم :۔ چلو میں بھی چلتی ہوں۔
سیٹھ :۔ آؤ۔

(سیٹھ اور بیگم باہر چلے جاتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے
اسٹیج خالی رہتا ہے اور اس کے بعد ایک نہایت فربہ
اندام بے ہنگم سیاہ رنگ نوجوان لڑکی دبے دبے پاؤں
ادھر ادھر دیکھتے داخل ہوتی ہے، میز کے قریب جاکر
اعظم کی تصویر اُٹھاتی ہے، غور سے اسے دیکھتی ہے۔
اور آنکھیں بند کرکے تصویر کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔
اور ایک ٹھنڈی لمبی سانس لیتی ہے۔ اسی اثنار میں
دوسرے کمرے سے بیگم کی آواز آتی ہے۔)

ماہ پارا ــــ! بیٹی ماہ پارا ــــ یہاں تو آئیو! ــــ
وہ لڑکی بلند آواز سے جواب دیتی ہے۔

ماہ پارا :۔ جی آئی امی!

یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے باہر چلی جاتی ہے۔

——— پردہ گرجاتا ہے

تیرھواں منظر

پبلک گارڈن ——— لان ——— ایک شخص ایک

تیل مالشئے سے بدن کی مالش کرا رہا ہے ———

ان کے قریب ایک بے فکر نوجوان لان پر لیٹا اپنی ترنگ

میں ایک غمناک گیت گا رہا ہے، اس سے کچھ فاصلے پر

اعظم تھکا ہارا اور مغموم بیٹھا سگریٹ پی رہا ہے۔

اعظم سیاہ رنگ کی شیروانی میں ملبوس ہے۔ (گانا)

جب گانا ختم ہوتا ہے ——— عبدل گاتے ہوئے داخل

ہوتا ہے ——— چل چل چنبیلی باغ میں تینگ اُڑائیں گے۔

اعظم کے قریب جا کر بے فکرے اور مسخرے انداز میں بولتا ہے۔

عبدل:۔ ہلّو۔ گڈ مارننگ اینڈ گڈ نائٹ، مسٹر بری نائٹ، ہم سالا ادھر

تمہارا پاک بلوچ مسکین ہوٹل بیں انتظار کرتا پڑا ہے اور سالا نم ادھر بیں دیپ کمار کا مافک روتا پڑا ہے، چلو اٹھو نی۔ آج کچھ پکچر ہکچر دیکھنے کو طبیعت مالش کرتا ہے۔

اعظم (بیزاری سے)
تم جاؤ عبدل۔ آج میں نہیں جا سکتا۔

عبدل:۔ واہ، ہم اپنا فرینڈ کو چھوڑ کر اکیلا پکچر کیسا دیکھ سکتا ہے، تم کو بھی ہمارے سنگھات چلنا پڑیں گا۔

اعظم:۔ نہیں یار! آج میں ایک بڑی پریشانی میں پھنسا ہوا ہوں۔

عبدل: واہ رے واہ —— اوپر شیروانی اندر پریشانی —— سالا ہم کو بھی بتاؤ کیا پریشانی ہے —— خدا قسم ہم ابھی پریشانی کی ڈبری ٹائیٹ کر دیں گا!

اعظم: عبدل —— بانو سخت بیمار ہے۔ غالباً اسے ٹائیفائڈ ہو گیا ہے۔ اور تم جانتے ہو، آج میرے پاس بالکل پیسہ نہیں ہے۔

عبدل:۔ سالا تم نے ہم کو کل کیوں نہیں بولا۔ آج صبوں (صبح) کو کیوں نہیں بولا۔ ارے پیسہ کیا ہے ہاتھ کا میل ہے۔ ہاتھ میلے کرنا کونسا ڈفی کلٹ کام ہے۔

ہم ابھی ہاتھ میلے کر کے پیسے کا بندوبست کرتا ہے۔

اعظم: نہیں عبدل نہیں —— اس وقت میں کسی کی نہیں لینا چاہتا، تم جانتے ہو مجھے اپنی ننھی بہن سے کتنی محبت ہے؟

عبدل :۔ تمہارا بہن ہمارا بھی سسٹر ہے، ہم اس کو بیمار کیسے دیکھ سکتا ہے۔
تم ڈرتا ہے، تم ہمارے ساتھ مت آؤ، ہم اکیلا ہی جائے گا پیسہ
کا بندوبست کرے گا اور اس سٹی کا سب سے بڑا ڈاکٹر لے جائیگا۔

(اتنے میں مجید اعظم کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں پہنچتا ہے
اور تیزی سے اعظم کی طرف بڑھتا ہے اور بڑے سخت
پریشانی کے لہجے میں بولتا ہے)

مجید :۔ اعظم جلدی چلو، بانو بے ہوش ہو گئی ہے۔

(اعظم پریشانی سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے)

عبدل :۔ اعظم بابو، تم گھر جاؤ، ہم ابھی ڈاکٹر لیکر گھر پہنچتا ہے۔
اعظم مجید کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

——— پردہ گر جاتا ہے

چودھواں منظر

سڑک ـــــــ عبدل اپنے فنکار کی تلاش میں سڑک پر ٹہل رہا ہے ـــــــ اتنے میں ایک موٹا تونددیل سیٹھ چھتری بغل میں دبائے گذرتا ہے ـــــــ عبدل تیزی سے اس کے قریب سے دھکا دیتے ہوئے گذرتا ہے، دونوں گرجاتے ہیں ـــــــ سیٹھ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن عبدل خوفناک آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے ڈانٹتا ہے ـــــــ

عبدل:۔ سیٹھ جی! کیوں دولت کی چربی آنکھوں پر بھی چڑھ گئی ہے کیا؟

(سیٹھ اسے دیکھ کر سہم جاتا ہے اور بولتا ہے)

سیٹھ :- بھئی، تم ہی تو ہم کو ٹکر دیا۔

عبدل : (غصہ سے)

ہم نے تم کو ٹکر دیا

سیٹھ (سہم کر)

نہیں بابا —— ہم کو معاف کرو۔ ہم نے تم کو ٹکر دیا —— ہماری آنکھوں

پر چربی چڑھ گئی ہے۔

عبدل :- بس اب اپنا روڈ پکڑو۔ جیادہ مستی ٹرٹرا اب ہم نہیں سن سکتا۔

(سیٹھ خاموشی سے اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد عبدل اس کی جیب سے اڑایا ہوا بٹوہ کھولتا ہے تو اس میں سوا پانچ آنے، ایک ناس کی ڈبیا اور دو بیڑیاں نکلتی ہیں)

عبدل :- ہات تیری پاپڑ والے سیٹھ، کیا جارہا ہے ہیجم کا خزانہ رکھیلا ہے پاکٹ میں۔!

(یہ کہہ کر ناس کی ڈبیا میں سے ناس نکالتا ہے، ناس چڑھا کر زور سے چھینکتا ہے اور پھر بیڑی سلگا کر کہتا ہے)

عجب ٹائم آگیا ہے۔ آجکل سالا سیٹھ لوگ بھی کڑکا رام دیوالیہ داس ہے۔

(اتنے میں ایک ٹھیلے والا جس کے ٹھیلے پر ہر مال دو دو آنے والا سجا ہوا ہے، ٹھیلا ڈھکیلتا آتا ہے۔ دوسری طرف سے ایک پولیس کانسٹبل آتا ہے، وہ ٹھیلے والے کو دیکھ کر اس کی

طرف بڑھتا ہے اور غصّہ سے کہتا ہے)

کانسٹیبل: لات کا بھوت بات سے نہیں مانتا۔ ہم تجھ کو کتنی بار بولا کہ ٹھیلا اس روڈ پر نہ لایا کرو۔ ہم تم کو تین بار معاف کیا، لیکن آج تمہارا چالان کرے گا۔

ٹھیلے والا: (معافی مانگنے کے انداز میں گڑگڑا کر)
آج آخری بار معاف کر دیو سنتری جی۔ پھر کبھی نہیں آئے گا، یہ پیٹ بڑا لالچی ہوتا ہے سنتری جی!

(عبدل بھی قریب جاتا ہے اور سفارش کرتا ہے)

عبدل:۔ چلو معاف کر دیو سنتری جی۔ یہ غریب بڑے بال بچّے والے ہوتے ہیں۔

کانسٹبل:۔ تو کون ہے بے لاٹ صاب، سفارش کرنیوالا۔ دفان ہو یہاں سے
(یہ کہہ کر سنتری جیب سے نوٹ بُک اور پنسل نکال کر ٹھیلے والے کا نام پتہ لکھتا ہے)

کانسٹبل:۔ نام؟

ٹھیلے والا: فقیر محمد!

کانسٹبل:۔ باپ کا نام؟

ٹھیلے والا:۔ غلام محمد!

کانسٹبل:۔ گھر اور محلّہ؟

ٹھیلے والا:۔ جھگی نمبر ۲۰۴، غریب آباد کالونی، قصائی گلی، پیپل کے جھاڑ کے پاس!

(کانسٹبل نام پتہ وغیرہ لکھکر ٹھیلے والے کو حکم دیتا ہے)

کانسٹبل: کل ٹھیک دس بجے تو کالے منڈی کے تھانے پر پہنچ جائیو۔

ٹھیلے والا:۔ سنتری جی معاف کر دیو، پاؤں پڑتا ہوں۔

کانسٹبل:۔ نہیں نہیں قانون قانون ہے، کل اگر نہیں آئے گا تو تو جیل میں سڑیگا۔

(عبدل سنتری سے بالکل متصل کھڑا ہے۔ سنتری یہ حکم دیکر چلا جاتا ہے۔ جب سنتری آؤٹ آف فیلڈ ہو جاتا ہے تو ٹھیلے والا آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہتا ہے!

ٹھیلے والا:۔ پاک پروردگار ۔ کیا تو یہ ظلم نہیں دیکھ رہا ہے!

عبدل: کیوں نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ خدا ہے، وہ گاڈ ہے، آل مائٹی گاڈ ہے اس نے مجھ کو تیری مدد کیلئے بھیجا ہے، بول کیا تو کل تھانے نہیں جانا چاہتا۔

ٹھیلے والا:۔ اب تو جانا ہی پڑے گا بھیا!

عبدل: بالکل نہیں جانا پڑے گا۔

ٹھیلے والا:۔ بھیا تو ان پولیس والوں کو نہیں جانتا شاید!

عبدل: ارے خوب جانتا ہوں۔

(جیب سے کانسٹبل کی جیب سے اڑائی ہوئی نوٹ بک اور پنسل نکالکر ٹھیلے والے کو دکھاتا ہے اور پوچھتا ہے)

عبدل:۔ کیوں رے، یہی ہے نا وہ سنتری کی نوٹ بک جس میں اس نے تیرا نام اور پتہ لکھا ہے۔

(ٹھیلے والا حیرت سے عبدل کو دیکھتا ہے، اس کے چہرے پر خوشی کی لہر آجاتی ہے اور وہ ہاتھ بڑھا کر عبدل سے ہاتھ ملا کر کہتا ہے)

ٹھیلے والا:۔ واہ میرے شیر، مانتا ہوں سلیمان! کیا ہنر پایا ہے تونے؟

عبدل:۔ تو اب زیادہ بک بک نہ کر۔ فوراً ہو جا یہاں سے رفو چکر، ورنہ پھر آجائیگا وہ سنتری یہاں اور پکڑ کر لیجائیگا تجھے وہاں۔

ٹھیلے والا:۔ شکریہ بھیا۔ سلام علیکم

عبدل:۔ وعلیکم السّلام

(ٹھیلے والا چلا جاتا ہے، ایک اور سیٹھ سڑک پر آتا ہے۔ عبدل اسے گہری اور تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی طرف بڑھتا ہے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہے اور پہلے کی طرح ٹکر دے کر اسے بھی گرا دیتا ہے۔ لیکن یہ سیٹھ بڑا چالاک آدمی ہوتا ہے وہ ایکدم شور مچا دیتا ہے۔

"میں لٹ گیا

تباہ ہو گیا

چور

چور"

(پبلک اکٹھی ہو جاتی ہے، اتنے میں وہی کانسٹبل جس نے ٹھیلے والے کا چالان کیا تھا وہ بھی وہاں آجاتا ہے، عبدل کو

پکڑ لیا جاتا ہے)
سیٹھ:۔ اس نے میری پاکٹ ماری ہے، میری پاکٹ میں پورا چار ہزار روپیہ ہے۔ دن دہاڑے یہ لوٹ، دہائی ہے، گورنمنٹ کی دہائی ہے۔
کانسٹبل:۔ اچھا تو تو ہے ذات شریف! میری نوٹ بک اور پنسل بھی تو نے اُڑائی ہے، چل دکھا تلاشی!
(عبدل کو لوگوں نے پکڑ رکھا ہے۔ اس کی جیب کی تلاشی لی جاتی ہے تو ایک خاکی پاکٹ، سوا پانچ آنے، نسوار کی ڈبیا، کانسٹبل کی نوٹ بک اور پنسل اور دوسرا بٹوہ جس میں چار ہزار روپوں کے نوٹ ہیں برآمد ہوتے ہیں۔)
عبدل:۔ چھوڑو مجھے۔ میری چھوٹی بہن بہت سخت بیمار ہے، میں نے چوری نہیں کی میں نے اپنا حق چھینا ہے۔ چھوڑ دو مجھے۔
(لیکن کانسٹبل اور لوگ باگ اسے دھکے دے کر لیجاتے ہیں۔
پردہ اُٹھ جاتا ہے

پندرھواں منظر

اعظم کی والدہ کا کمرہ ——— جس میں دو چارپائیاں بچھی ہیں ——— اور ضروریات کا کچھ معمولی سا سامان جس میں صندوق، اور ایک چھوٹی سی الماری میں برتن وغیرہ رکھے ہیں ——— ایک چارپائی پر بانو بخار میں کراہ رہی ہے ——— اعظم اور مجید ایک ڈاکٹر کو لئے داخل ہوتے ہیں ——— ماں ڈاکٹر کی وجہ سے جلدی سے اندر چلی جاتی ہے ——— ڈاکٹر استھسکوپ لگاکر بانو کی حالت دیکھتا ہے اور کہتا ہے ———

ڈاکٹر:۔ ٹائیفائڈ کا حملہ ہے، لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں چند دوائیاں

اور انجکشن لکھے دیتا ہوں، کسی کیمسٹ کی دوکان سے لے آئیے۔ شام
کو میں انجکشن لگا دوں گا۔
(ڈاکٹر ایک پرچے پر دوائیوں اور انجکشن کے نام لکھ کر
اعظم کو دیتا ہے۔ اعظم پوچھتا ہے)
اعظم:۔ ڈاکٹر صاحب یہ دوائیاں اور انجکشن کتنے تک مل جائیں گے۔
ڈاکٹر:۔ یہی کوئی پچیس تیس روپے تک!
مجید:۔ (حیرت سے)
پچیس تیس روپے!!!
ڈاکٹر:۔ اور کیا؟ —— یہ دوائیاں اور انجکشن باہر سے آتے ہیں
یہاں تھوڑی بنتے ہیں!
مجید:۔ (قدرے غصّہ سے)
تو پھر یہاں کیا بنتا ہے ڈاکٹر صاحب؟
ڈاکٹر:۔ جی —— کیا؟ ——
اعظم: (طنزیہ اُداس لہجے میں)
یہاں صرف بیمار بنتے ہیں مجید!
(ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر)
ڈاکٹر صاحب آپ کی وزٹنگ فیس تو پانچ روپے ہے لیکن اسوقت
میرے پاس صرف تین روپے ہیں، انشاءاللہ شام کی وزٹ میں
میں ساری فیس ادا کر دوں گا۔

ڈاکٹر:۔ دیکھئے مسٹر، یہ بڑی غلط بات ہے، اس وقت تو میں تین روپے لئے لیتا ہوں، مگر دیکھئے شام کو پوری فیس اور یہ بیلنس کے دو روپے ضرور ملجانے چاہئیں ۔ اس طرح اگر ہم تھوڑی تھوڑی فیس لیتے رہے تو ہمارا دواخانہ کیسے چلے گا۔ میرے بھی تو بال بچے ہیں۔ میں بھی تو مجبور ہوں ۔

اعظم :۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب آپ بھی مجبور ہیں، ہم بھی مجبور ہیں۔ یہاں سب ہی مجبور ہیں ۔ لیکن آپ مطمئن رہیں ۔ اگر شام تک میں آپ کی فیس کا بندوبست نہ کر سکا تو میں آپ کو تکلیف بھی نہیں دوں گا۔ یہ قبول فرمائیے ۔ (تین روپے ڈاکٹر کو دیتا ہے)

ڈاکٹر تین روپے جیب میں رکھ لیتا ہے، اعظم مجید سے کہتا ہے:۔

اعظم :۔ مجید! ڈاکٹر صاحب کا بیگ اٹھاؤ اور انہیں ڈسپنسری تک چھوڑ آؤ ۔ بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر:۔ گڈ نائیٹ

اعظم:۔ گڈ ــــ نائیٹ

(کھتا ہوا آرام کرسی پر گر پڑتا ہے ۔ ایک لمحہ کے بعد آواز آتی ہے)

آواز ــــ میں اندر آسکتی ہوں؟ ــــ

اعظم:۔ یس ۔ کم ان ــــ

(نور افشاں گھبرائی اور پریشان اندر داخل ہوتی ہے اور تیزی سے اعظم کے قریب جاکر اس کے دونوں شانے جھنجھوڑ کر

اس سے کہتی ہے)

نورافشاں :۔ اعظم ـــ اعظم۔ میرے لالچی باپ نے میرے نیلام کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ اب بولو ہیں ـــ ـــ ـــ

اعظم :۔ (ہونٹوں پر انگلی رکھ کر)

ششش ـــ (بانو کی چارپائی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

آہستہ بولو، بانو سخت بیمار ہے۔

(نورافشاں بانو کی چارپائی کی طرف دیکھتی ہے اور اٹھ کر اس کی چارپائی کی طرف جاتی ہے، بانو کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھتی ہے، بانو پر نیم بیہوشی کا عالم طاری ہے۔ نورافشاں وہاں سے پھر اعظم کے پاس آتی ہے اور پوچھتی ہے)

نورافشاں :۔ ڈاکٹر اور دوائی کا بندوبست کیا تم نے؟

اعظم :۔ تم جانتی ہو نور، اسکول کی فیس نہ دینے کے باعث اسکول سے بانو کا نام کٹ گیا، اور اب ڈاکٹر کی فیس نہ دینے کے باعث اس کا نام دنیا سے بھی کٹ جائے گا۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

نورافشاں :۔ اعظم! تم دن بدن جانور بنتے جا رہے ہو، میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے پہلو میں انسان کا دل کیوں نہیں ہے؟

اعظم :۔ دنیا کا ہر غریب آدمی جانور ہی ہوتا ہے، بس نورافشاں، دنیا بھر کا بوجھ اٹھانے والا بے زبان اور مظلوم جانور، پھر تم یہ کیوں پوچھتی ہو کہ میرے پہلو میں انسان کا دل نہیں ہے۔؟

نورافشاں:۔ تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے! مجھ سے تمہاری بے رخی تو بجبر
گوارا کی جا سکتی ہے، لیکن تم اپنی معصوم بہن کو بھی اس طرح بے پروائی
سے موت کے کھڈ میں گرتا دیکھ سکتے ہو۔ تمہاری بہن مر رہی ہے۔
اور تم آرام سے بیٹھے اس کی آخری سانسیں گن رہے ہو۔

اعظم:۔ نور ـــ میں کبھی نہیں چاہتا کہ بانو مر جائے۔

نورافشاں:۔ تو پھر جاتے کیوں نہیں۔ ڈاکٹر کو بلاتے کیوں نہیں؟ یہ لو روپے
میں دیتی ہوں۔

(یہ کہہ کر وہ اپنا منی پرس کھولنا چاہتی ہے، لیکن اعظم اس کی طرف
سے ہٹ کر پیٹھ موڑ کر اس سے کہتا ہے)

اعظم:۔ تم نے میری بات نہیں سمجھی نور، میں بانو کی موت اس لئے نہیں چاہتا
کہ میری یہ اکلوتی قمیص بوسیدہ ہو گئی ہے۔

نورافشاں:۔ قمیص بوسیدہ ہو گئی ہے کیا بک رہے ہو۔ تمہاری بوسیدہ
قمیص اور بانو کی بیماری کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

اعظم:۔ بہت بڑا تعلق ـــ یعنی اگر بانو مر جاتی ہے تو جو کپڑا میں اپنی
نئی قمیص کے لئے خریدنا چاہتا ہوں وہ بانو کے کفن کے لئے
استعمال ہو گا اور میں یہ نہیں چاہتا!

(نور غصے سے بے قابو ہو کر اعظم کے گال پر ایک زوردار
چانٹا رسید کرتی ہے اور کہتی ہے)

نورافشاں:۔ وحشی درندے!

(اور وہ اس کے دونوں شانیں پکڑ کر جھنجھوڑتی ہے اور پھر اچانک
خاموش ہو جاتی ہے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلاءمیں گھورنے لگتی ہے۔
اور اچانک اعظم کے سینے پر سر ٹیک کر گڑگڑا کر رونہار آواز میں
کہتی ہے)
مجھے معاف کرو اعظم —— میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی
کی ہے، تم بھی مر چکے ہو اعظم۔ بہ حیثیت انسان تم زندہ نہیں ہو
مجھے معاف کرو کہ میں نے ایک لاش کے گال پر طمانچہ لگا کر
لاش کی توہین کی ہے۔
(پھر وہ آہستہ سے اس سے الگ ہوتی ہے اور بڑے
عظم کے ساتھ کہتی ہے)
نورافشاں :- اچھا میں بانو کو موت کے منہ سے بچاؤں گی، میں عزرائیل سے لڑوں
گی، میں خدا کی منّتیں کروں گی، میں بانو کو بچاؤں گی
(یہ کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل جاتی ہے)
اعظم پھر آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے۔ اچانک بانو بلند
آواز سے بڑبڑانے لگتی ہے)
بانو :- امّی —— ! بھائی جان ——!! دیکھو وہ سفید سفید لمبی ڈاڑھی
والا بوڑھا مجھے اپنے پاس بُلا رہا ہے۔ بھائی جان! —— امّی!!—
اس بوڑھے کی پیٹھ پر دو بڑے بڑے پر لگے ہوئے ہیں۔ امّی مجھے
اس بوڑھے سے ڈر لگ رہا ہے —— امّی! —— بھائی جان!!—

(اعظم چونک پڑتا ہے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھنے لگتا ہے، اعظم کی والدہ جو جیسے نماز پڑھ رہی تھی، دوڑی دوڑی کمرے میں آتی ہے اس کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور سر دوپٹے سے پوری طرح ڈھنکا ہوا ہے۔ وہ روتے ہوئے بانو پر جھک کر یٰسین شریف پڑھنے لگتی ہے

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ، اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

لیکن آواز بھرا جاتی ہے، وہ آگے نہیں پڑھ سکتی، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے، اعظم آبدیدہ کرسی سے اٹھتا ہے اور بانو کی چارپائی کے سرہانے زمین پر گھٹنے ٹیک کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر چھپا لیتا ہے، بانو پھر ہذیان بکنے لگتی ہے)

بانو:۔ کتنا اچھا باغ ہے، کیسی رنگین تیتریاں اڑ رہی ہیں، امی وہ دیکھو ادھر دودھ کی ندی بہہ رہی ہے۔ لیکن وہ بوڑھا —— وہ بڑے بڑے پروں والا بوڑھا —— اس کے بال ——

(وہ زور سے چیخ پڑتی ہے)

اس کے بال مجھے چبھ رہے ہیں امّی —— مجھے بچاؤ —— مجھے بچاؤ۔

(اعظم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی والدہ بھر کر کہتی ہے)

ماں:۔ اعظم —— بیٹے —— جاؤ —— ڈاکٹر کو بلاؤ۔ ممکن ہے ڈاکٹر کو میری بچی پر ترس آجائے —— ممکن ہے ایسا ہو —— ممکن ہے تم جاؤ —— تم کوشش تو کرو میرے بچے ——

(اعظم بُت بنا کھڑا رہتا ہے اور ماں اسے دیکھ کر نہایت دھیمے لہجے میں کہتی ہے)

ماں :۔ کاش آج میں ایک جوان عورت ہوتی۔

(یہ جملہ اعظم کے دل پر تیر کی طرح لگتا ہے اور بڑی بھیانک اور بلند آواز میں چیختا ہے)

"ماں ۔۔۔۔" !!!

اور پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے نرم لیکن طنزیہ لہجے میں کہتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو امّی۔ کاش تم ایک جوان عورت ہوتیں۔!

ماں :۔ (چھت کی طرف دیکھتے ہوئے)

میں اپنی بانو کو آسمانوں پر ہرگز نہیں جانے دوں گی

اے پروردگار!۔۔۔ میرے پاس میرے بچّوں کے سوائے کچھ نہیں ہے، کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ تو وہ بھی چھین لینا چاہتا ہے معبود!۔۔۔

(اعظم ایک لمحہ کے لیئے ماں کو اور بانو کو دیکھتا ہے اور سر کے بال نوچ کر نہایت غضبناک آواز میں کہتا ہے)

ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا۔

(یہ کہتا ہوا وہ باہر چلا جاتا ہے اور پردہ گر جاتا ہے)

سولھواں منظر

سڑک کا منظر ـــــ مسعود علیخاں ،
عروسی لباس پہنے ـــــ سر پر سہرا باندھو ائے
ایک گھوڑے پر سوار داخل ہوتا ہے ـــــ
اس کے سامنے بینڈ باجوں کا باوردی
یونٹ ہے ـــــ اور اس کے ساتھ
براتی رنگ برنگے کپڑے پہنے شریک
ہیں ـــــ بینڈ باجے کے یونٹ کے
آگے دو تلوار باز تلوار بازی کا مظاہرہ
کر رہے ہیں ـــــ

(نوٹ :- تلوار بازی کا یہ مظاہرہ اس وقت تک

جاری رہے، جب تک کہ سترھویں منظر کا فرنیچر پردے کے پیچھے جما نہ لیا جائے)

تلوار بازی کے مظاہرے کے بعد برات آگے بڑھتی ہے اور اسٹیج سے باہر نکل جاتی ہے -

پردہ اُٹھ جاتا ہے -

سترھواں منظر

سیٹھ دولت خاں کا ڈرائنگ روم ــــ
سیٹھ دولت خاں اکیلے بیٹھے حقہ پینے ــــ
ہاہی کھاتے دیکھ رہے ہیں ــــ نوکر اندر
داخل ہوتا ہے اور ملاقاتی چِٹھی ان کے حوالے
کرتا ہے ــــ چٹھی پر نام دیکھکر سیٹھ
دولت خاں کی باچھیں کھل جاتی ہیں - وہ
نوکر سے کہتے ہیں

سیٹھ صاحب :- اسے جلدی سے اندر بھیجدو -
(اعظم داخل ہوتا ہے - وہ نہایت مغموم اور
اداس ہے)

اعظم :- السلام علیکم !ــــــ

سیٹھ صاحب :- وعلیکم السلام ــــــ آؤ بھئی آؤ۔ تم تو ایسے غائب ہوئے کہ بس
میں آج تمہارے ہی گھر جانے والا تھا، بھلے آدمی! اس دن تم اپنی بی۔اے
کی ڈگری اور اسنادات بھی یہیں چھوڑ گئے۔ پھر لینے تک نہیں آئے
عجیب آدمی ہو۔ اور ہاں یہ کھڑے کیوں ہو! بیٹھتے کیوں نہیں،
بیٹھو بھئی بیٹھ جاؤ۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے)

سیٹھ صاحب :- بھئی اس دن کے واقعہ کا مجھے بہت افسوس ہے، وہ کمبخت
ہیرا کا بچہ ـ ـ ـ ـ ـ

اعظم :- (بات کاٹ کر)
سیٹھ صاحب! اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں، مجھے آپ سے
ایک نہایت ضروری بات کرنی ہے۔

سیٹھ صاحب :- ہاں ہاں کہو، شوق سے کہو ــــــ

اعظم :- میں اپنے آپ کو بیچنے آیا ہوں۔ اب میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ
بی، اے کی ڈگری اور جہیز کی شادی میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔

سیٹھ صاحب :- (حیران ہوکر) کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔

اعظم :- سیٹھ صاحب، میں آپ کی لڑکی سے شادی کیلئے بالکل تیار ہوں۔

سیٹھ صاحب :- (خوش ہوکر)
اوہ ــــ اوہ ــــ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے میں ــــ میں کوئی مناسب

تاریخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اعظم :۔ (بات کاٹ کر)
مگر سیٹھ صاحب! ایک شرط ہے ۔ میری چھوٹی بہن سخت بیمار ہے
میں خالی جیب اس کو عزرائیل کے سامنے سے اٹھا کر واپس نہیں
لا سکتا ۔

(جیب سے ایک پرچہ نکال کر)
یہ دوائیاں اور انجکشن اور ایک ڈاکٹر کا فوراً بندوبست
ہونا چاہئے ۔ پھر میں ہمیشہ کے لئے آپ کی خدمت میں ہوں ۔

سیٹھ صاحب :۔ اوہ! بڑے افسوس کی بات ہے ۔ خیر کوئی بات نہیں، کوئی بات
نہیں، ویسے بھی میرا یہ انسانی فرض ہے میں ابھی اپنے فیملی ڈاکٹر کو
ساتھ لے چلتا ہوں ۔ گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک
ہو جائے گا ۔ اچھا میں ذرا کپڑے پہن آؤں ۔

(یہ کہہ کر سیٹھ اندر چلا جاتا ہے اور اعظم کہتا ہے)

اعظم :۔ کتنا خود غرض ہے انسان اگر میں یونہی اس کے پاس چلا آتا اور اس سے
یہی بات کہتا تو شاید یہ مجھے کسی خیراتی شفاخانے کا بھی پتہ نہ بتاتا،
واہ رے انسان !!

سیٹھ کپڑے پہن کر آتا ہے اور کہتا ہے ۔

سیٹھ صاحب :۔ آؤ، آؤ چلو

اعظم اور سیٹھ باہر چلے جاتے ہیں ۔ پردہ گر جاتا ہے ۔

اٹھارھواں منظر

سڑک ــــ تین آدمی ایسے لباس میں کھڑے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی برات میں شریک تھے ــــ اور ایک دوسرے کو سگریٹ آفر کر کے سگریٹیں جلا ہی رہے ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوڑا دوڑا آتا ہے اور کہتا ہے ــــ

اندر سے آنیوالا شخص :ــــ
یارو غضب ہوگیا غضب ، دلہن کا کہیں پتہ نہیں ہے !ــــ

ایک شخص :- یہ اندر کیا گڑبڑ ہو رہی ہے بھئی ؟ ــــ

اندر سے آنیوالا شخص :- سیٹھ حاجی رحمت اللہ اور کرنل ارباب خاں میں بڑی تو تو ، میں میں ہو رہی ہے -

دوسرا آدمی :۔ توبہ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے، دلہنیں تک گھروں سے بھاگنے لگی ہیں۔
تیسرا آدمی :۔ بھیا تمہیں پتہ نہیں۔ آجکل لڑکیوں کے اسکولوں میں بھی اسپورٹس
ہوتے ہیں وہاں لڑکیوں کے دوڑ کے مقابلے ہوتے ہیں، یہ بھاگنے کی
عادت وہیں سے پڑتی ہے
چوتھا آدمی :۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) یار یہ عشق کا چکر بڑا خراب ہوتا ہے۔
پانچواں آدمی :۔ آہو جی، یہ عشق سالا ہوندا ای بڑا خانہ خراب جے!
چوتھا آدمی :۔ اب کیا ہوگا؟
تیسرا آدمی :۔ کرنل ارباب خاں کی ناک کٹے گی ناک!
دوسرا آدمی :۔ اسی لئے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو صرف بہشتی زیور
اور کشیدہ کاری جیسی کتابوں سے آگے نہیں جانے دینا چاہئے۔
پہلا آدمی :۔ اماں نہیں یار۔ اس میں تعلیم کا کوئی قصور نہیں۔ تعلیم تو بڑی
اچھی چیز ہوتی ہے، انسان کی زندگی بنا دیتی ہے۔
دوسرا آدمی :۔ لو بھئی، اس تعلیم والے کو دیکھو۔
پہلا آدمی :۔ بٹیا۔ غریبی کی وجہ سے نہیں پڑھ سکا۔ اگر پڑھنے کا موقعہ تھا
تو وزیر اعظم بنتا وزیر اعظم!
اتنے میں پردے کے پیچھے کے پیچھے سے پستول چلنے کی آواز آتی ہے
سب لوگ چونک پڑتے ہیں، گھبرا سے جاتے ہیں، ایک کہتا ہے
یار جاؤ جاؤ۔ ذرا اندر جا کر معلوم تو کرو کیا بات ہے؟
(اندر سے آنیوالا آدمی دوڑا ہوا پھر اندر جاتا ہے۔ دونوں لمحول کے

بعد وہ دوڑا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے)

اندر سے آنے والا آدمی: یار وہی ہوا جو ہونا تھا۔

(سب آدمی اسے گھیر لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہوا — ؟

اندر سے آنیوالا آدمی:

کرنل ارباب خاں نے خودکشی کرلی۔

سب کے سب: ہیں !!!

ایک شخص :۔ توبہ توبہ کبھی کبھی ایک جوان لڑکی کی ذراسی غلطی ہمارے خاندان کو تباہ کردیتی ہے

دوسرا آدمی :۔ خدا ناگن دے مگر ایسی بیٹی نہ دے۔

چوتھا آدمی :۔ آؤ یار اندر چلتے ہیں، آؤ آؤ۔ سب کے سب آؤٹ آف فیلڈ ہو جاتے ہیں۔

(پردہ اٹھ جاتا ہے)

انیسواں منظر

اعظم کا کمرہ ـــــــــ جو پہلے منظر میں تھا ـــــ
بانو بسترِ مرگ پر لیٹی ہے ۔ اعظم کی والدہ اور مجید
اس کی چارپائی پر بیٹھے ہیں ـــــ اعظم کی والدہ روتی
جا رہی ہے ـــــــــ اور اتنے میں نور افشاں جو
عروسی لباس میں ملبوس ہے ۔ ایک ڈاکٹر کو لئے داخل
ہوتی ہے ـــــــــ ڈاکٹر استھسکوپ لگا کر
بانو کو دیکھتا ہے ۔ اسی اثنا میں اعظم سیٹھ دولت خاں
اور ان فیملی ڈاکٹر دروازے میں ہوتے ہیں ـــــ
جیسے ہی وہ اندر داخل ہوتے ہیں، پہلا ڈاکٹر سر جھکائے
آہستہ سے چارپائی سے اُٹھتا ہے، اور چادر سے

بانو کا چہرہ ڈھانک دیتا ہے - اعظم یہ منظر
دیکھ کر زور سے چیختا ہے -

بانو ——— !!!

اس کے ہاتھ سے دوائیوں کی شیشیاں اور
انجکشن فرش پر جھناکے کے ساتھ گر کر ٹوٹ
جاتے ہیں —— اعظم کی والدہ غضبناک شیرنی کی
طرح آگے بڑھتی ہے اور چھت کی طرف دونوں
ہاتھ اٹھا کر چیختے ہوئے کہتی ہے -

بانو ——— میری بچی —— تو مت گھبرا -
کوئی تجھے مجھ سے نہیں چھین سکتا —— میں
تیرے پاس آ رہی ہوں بیٹی ! میں تیرے بغیر ہرگز
نہیں جی سکتی بیٹی ! ——

(یہ کہہ کر اعظم کی والدہ ایک چھری اپنے سینے میں کھونک لیتی ہے)

اعظم :- (چیختا ہے)

ماں —— !

نورافشاں دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیتی ہے، دونوں ڈاکٹر اور
سیٹھ دولت خاں اعظم کی والدہ کی اس حرکت سے پریشان ہو جاتے
ہیں خصوصاً سیٹھ دولت خاں

" باپ رے باپ "

کہتا ہے اور تیزی سے ونگ میں غائب ہو جاتا ہے۔

(اعظم دیوانے کی طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھتا ہے۔ مجید اعظم کی ماں کی طرف بڑھتا ہے جو فرش پر تڑپ رہی ہے اور اس کا دم آخر ہے۔ اعظم مجید کو اپنی ماں کے پاس دیکھکر دیوانے کی طرح چیختا ہے)

مجید ——— ہٹ جاؤ اس عورت کے پاس سے اسے بھی مر جانے دو —— اس کمبخت عورت کو اسی دن مر جانا چاہیئے تھا جس دن اس کا شوہر مر گیا تھا۔ جس دن اس نے مجھے اور جس دن اس نے بانو کو جنم دیا تھا ——— ہٹ جاؤ مجید ——— ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔

(نور افشاں دوڑ کر اعظم سے چمٹ جاتی ہے، لیکن اعظم اسے فرش پر دھکیل دیتا ہے اور پکارتا ہے۔)

مجید! کس کا انتظار کر رہے ہو اب۔ اٹھاؤ ان لاشوں کو یہاں سے۔ ایسی لاشوں کا کوئی جنازہ نہیں ہوتا، ان لاشوں پر کوئی مقبرہ نہیں بنایا جاتا۔ ان پر کسی کے آنسو نہیں ٹپکتے۔ کوئی ان پر پھول نہیں چڑھاتا۔ اٹھاؤ ——— اس کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو اٹھاؤ یہاں سے ——— انہیں ہم دنیا کے باہر پھینک آئیں تاکہ یہ زمین پاک اور صاف ہو جائے

(یہ کہہ کر وہ آگے بڑھتا ہے اور اپنی چھوٹی بہن بانو کی لاش

اپنی دونوں باہوں میں اٹھالیتا ہے اور اس کی پیشانی کو چوم کر کہتا ہے)
گڑ بائی مائی ڈیر لٹل بانو ــــــ تم چاکلیٹ کے ڈبے کی
تلاش میں بہت دور چلی گئی ہو ــــــ میں جانتا ہوں کہ اب تم کبھی
واپس نہیں آؤ گی ــــــ اپنی ننھی ننھی باہوں کا ہار میرے
گلے میں کبھی نہیں ڈالو گی۔
اچھا ہی ہوا بانو! ــــــ تم اس وقت زمین کو چھوڑ کر
نرم نرم آسمانوں پر چلی گئی ہو ــــــ اب تمہارے ننھے ننھے ہاتھ آٹا
گوندھتے کبھی نہیں تھکیں گے ــــــ آؤ میں تمہیں دنیا کے
آخری دروازے تک چھوڑ آؤں۔
میری ننھی گڑیا! میں تمہیں دفن کرنے نہیں بلکہ میں تو
مفلسی، بیچارگی اور ایک موت سے زیادہ بدتر زندگی
کو دفن کرنے جا رہا ہوں ــ میں تمہیں دفن کر کے مطمئن
ہو سکتا ہوں کہ میں نے مفلسی، بیماری اور ایک مجبور
زندگی کو دفن کر دیا ہے
(چیختے ہوئے)
اور اگر اسی طرح ہر روز سیکڑوں کی تعداد میں
مفلسیوں، بیماریوں اور مجبور زندگیوں کو دفن کیا
جاتا رہا تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن، ایک دن
یہ زمین ــــــ یہ زمین بالکل پاک و صاف ہو جائیگی۔

(یہ کہہ کر وہ تیزی سے روتا ہوا ونگ میں لاش اٹھائے بھاگ جاتا ہے)

اور پردہ تیزی کے ساتھ گر جاتا ہے

آخری منظر

اعظم کا کمرہ ——— وہی سٹینگ جو اس سے پہلے کے منظر میں تھی ——— اعظم اکیلا اور نہایت مغموم اسٹول بیٹھا سگریٹ پی رہا ہے۔ اس کی آنکھیں خوفناک طور پر پھیٹی ہوئی ہیں۔ اتنے میں نور افشاں دبے پاؤں اندر داخل ہوتی ہے۔ اعظم اسے دیکھتا ہے اور اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے ——— نور افشاں اس کے قریب جاتی ہے اور اس کی ایک بانہہ کو مضبوطی سے پکڑ لیتی ہے اور کہتی ہے ——:

اعظم، اب میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔

میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ دوں گی اعظم ـــــ میں تمہیں اکیلا کہیں نہیں چھوڑ دوں گی اعظم ـــــ میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔ اعظم ـــــ غم کی اس اندھیری رات کی ضرور کوئی صبح ہو گی۔ اس راستہ کی ضرور کوئی منزل ہو گی۔!

اعظم:۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بھی اس دنیا سے چلا جاؤں گا؟ کیا تم نے مجھے اتنا بزدل سمجھ رکھا ہے کہ میں اپنی ماں اور بہن کے قاتل کا بدلہ لئے بغیر یہاں سے چلا جاؤں گا؟

(بڑے عزم کے ساتھ)

نور ـــــ میں زندگی کے راستہ پر اسی طرح چلتا رہوں گا۔ ہمیشہ چلتا رہوں گا ـــــ شکست کبھی نہیں مانوں گا۔ کبھی نہیں

(یہ کہہ کر وہ نور افشاں کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اسٹیج پر اچانک اندھیرا چھا جاتا ہے اور پس منظر سے دردناک لے میں کوئی گاتا ہے بطرز ہیر)

کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غم دل
ابھی گرانی سب میں کمی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

آخری مصرعہ کے اختتام پر ہال میں اُجالا

(اور ڈراپ کا پردہ گر جاتا ہے)

ختم شد۔

شمع ایک پروانے دو

• ایک شمع تھی جس کے دو پروانے تھے — • ایک لڑکی تھی جس کے دو طالب تھے
• ایک کہانی تھی جس کے دو عنوان تھے — • اگر آپ حسن و محبت کی یہ دلآویز کہانی پڑھنا چاہتے ہیں تو مسلم نظامی ایم۔ اے کا یہ رومانی ناول ضرور طلب فرمائیے

شمع ایک پروانے دو

ایک ایسی غریب اور بیوہ لڑکی کی کہانی جس نے اپنے سماج سے بغاوت کی — اور اسے شکست دیکر اپنا حسین مستقبل تعمیر کیا — جس نے زمانے کے مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا — محبت اور احسان کے درمیان الجھی ہوئی ایک حسینہ کی داستان
مجلد — رنگا رنگ دیدہ زیب ٹائیٹل - صاف ستھری کتابت و طباعت
قیمت دو روپے (عہ/)

١٦٠

انارکلی کی واپسی

ڈرامہ

اظہار اثر کرتپوری

قیمت :- تین روپے